مثنوی رومی میں ذکر رسولؐ

(دفتر ششم)

خواجہ حمید یزدانی

دفتر ششم کے شروع میں مولانا نے حسام الدین[1] سے مخاطب ہو کر اس دفتر کے آغاز کا ذکر اور پھر مختلف موضوعات ــ مثلاً ہر کسی کو کسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، ہر کسی کی اپنی اپنی خصلت و فطرت ہے، اس جہان کا ذرہ ذرہ باہمی آویزش کا شکار ہے وغیرہ ــ پر اظہار کیا ہے۔ اس حصے میں ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزہ شق القمر کی طرف مختصر سا اشارہ ہوا اور ایک جگہ حضورؐ کا ذکر سعادت اثر محمدؐ کے اسم گرامی سے آیا ہے:

از فرحؐ در پیش مہ بستی کمر
ز آن ہمی ترسی ز انشق القمر
مثل نبود لیک آن باشد مثیل
تا کند عقل محمدؐ را گسیل

یہاں عقل کی سست گامی سے بحث کرتے ہوئے ایک سائل اور واعظ کی تمثیل بیان کی گئی ہے۔ اس تمثیل کے آغاز میں مولانا نے "ہمت" کو انسانی عظمت کا سبب بتایا ہے۔ ان کے مطابق اگر کوئی عاشق یعنی صاحب ہمت خیر و شر سے آلودہ ہے تو اس کی اس آلودگی سے صرفِ نظر کرکے اس کی ہمت کو پیش نظر رکھو۔ پھر مختلف امثال سے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً اگر کوئی باز بظاہر بڑا خوبصورت اور بے نظیر ہے لیکن اس کا شکار چوہا ہے تو وہ باز حقیر ہے، اس کے برعکس اگر کوئی اُلو شاہ کی جانب مائل ہے تو وہ شہباز ہے۔ اس قسم کی مختلف مثالوں کے بعد عقل و جان پر اظہار خیال ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ روحانی

اسرار سے ہر کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا ہر چند اس کی صورت درویشانہ ہو۔[۳] پھر اس ضمن میں حضورؐ فخر موجودات کی ختم نبوت اور اس کے اسباب و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے حضورؐ کو خاتم پیغمبران اور محمدؐ کے لقب و اسم سے یاد کیا گیا ہے۔

مولانا کہتے ہیں کہ یہ جو خدائے عز و جل نے منکرین نبوت کے دلوں پر مُہر لگانے کا ذکر فرمایا ہے۔ تو ایک سالک کے لیے اسے سمجھنے کی اشد ضرورت ہے، اور یہ صرف حضورؐ ہی کی ذاتِ والا صفات ہے جس کی بدولت اس مُہر گراں کے ٹوٹنے کی امید ہے، اس لیے کہ حضورؐ سیدالبشر سے قبل تمام انبیاؑ کے ادوار میں ایسے ہی منکرین کے دلوں پر جو مُہریں لگائی گئی تھیں وہ اب حضورؐ کے دینِ فطرت کی بدولت سب توڑ ڈالی گئیں۔ مولانا نے ایسی مُہروں کو "قفلہائے ناکشودہ" کہہ کر "انا فتحنا"[۴] کو ان کی کلید قرار دیا ہے۔ اس کے بعد دونوں جہانوں میں سرورؐ دو عالم کی طرف سے کی جانے والی شفاعت کا ذکر ہے، اس جہان میں دین کے معاملے میں اور عقبیٰ میں بخشش کے سلسلے میں۔ حضورؐ اس دنیا میں انسانوں کی رہبری و راہنمائی کے لیے تشریف لائے اور آخرت میں حضورؐ خدا سے اپنے امتیوں کے دیدار کی شفاعت و درخواست کریں گے۔[۵] ظاہر اور پوشیدہ دونوں صورتوں میں سیدؐ و سرورِ ہر دو جہان کا کام گمراہوں اور نادانوں کی ہدایت و رہنمائی تھا۔ حضورؐ کے دونوں عالم میں مستجاب الدعوات ہونے کا ذکر کرکے مولانا کہتے ہیں کہ حضورؐ ہی کی بدولت انسانوں پر دونوں جہانوں کے دروازے کھل گئے اور یہ جو فخرالانبیا کو خاتم النبیینؐ قرار دیا گیا تو یہ شفیع دوسرا کے اسوۂ حسنہ اور صفات عظمیٰ کے سبب تھا جو حضورؐ سے قبل نہ کسی میں تھیں اور نہ آگے چل کر تاقیامت کسی میں ہوں گی:

معنی ختم علی افواہہم[۶]
این شناس اینست راہرو را مہتم
اُوؐ شفیعست اینجہان و آنجہان
این جہان در دین و آنجا در جنان
پیشہ اش اندر ظہور و در کمون
اِہدِ قومی انہم لا یعلمون[۷]

باز گشته از دم او ہر دو باب
در دو عالم دعوت او مستجاب

بہر این خاتم شده است او که بجود
مثل او نی بود و نی خواہند بود

یہ بیان کرنے کے بعد اس کی تصدیق و تثبیت میں مولانا نے ایک عام مثال پیش کی ہے ۔ کہتے ہیں کہ جب کوئی استاد کسی صنعت میں ماہر و کامل ہو جاتا ہے تو کیا لوگ اسے یہ نہیں کہتے کہ یہ صنعت تم پر ختم ہو گئی ہے ۔ اس مثال کے بعد لفظ "ختم" سے شاعرانہ استفادہ کرتے ہوئے حضورؐ ختمی مرتبت کے حضور بڑے ہی عجز و انکسار کے ساتھ کوئی روحانی مرتبہ عطا کرنے کی درخواست ہے ۔ اس ذاتِ ہمہ صفات کے اشارات کو سراپا مراد و کشاد کہا گیا ہے ۔ پھر حضورؐ کی روحِ پُر فتوح اور خاصانِ خدا کے ، جنہیں مولانا سرورِ کونینؐ کے فرزندان روحانی اور خلیفہ زادگانِ مقبل کہتے ہیں ، عصر و قدوم پر ہزاروں درود و آفرین بھیجے گئے ہیں ۔ مولانا کے مطابق یہ خاصانِ خدا ، دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں ، آب و گل سے ہٹ کر روحانی اور دلی طور پر فخر موجوداتؐ ہی کی اولاد ہیں ۔ اپنے اس قول کی تائید میں مولانا دو تین مثالیں لائے ہیں ۔ مثلاً پھول جہاں بھی اُگے پھول ہی ہوگا اور اگر خورشید مغرب سے طلوع ہو تو خورشید ہی کہلائے گا کچھ اور نہیں کہلائے گا ۔ آخر میں عیب جُو لوگوں کو خفاش کہا گیا اور حضورِ حق ان کے حق میں کور چشمی کی دعا کی گئی ہے :

در کشادِ ختمہا تو خاتمی
در جہان روح بخشا حاتمی

ہست اشارات محمدؐ المراد
کل کشاد اندر کشاد اندر کشاد

صد ہزاران آفرین بر جان او
بر قدوم و دورِ فرزندان او

گر ز بغداد و ہری یا از رینه[۸]
بی مزاجِ آب و گل نسل وینه

''لگوہیدن ناموسہای پوسیدہ کہ مانع ذوق ایمان و دلیل ضعف و صدقند ۔ ۔ ۔ الخ'' کے شروع میں حسام الدین سے خطاب اور مثنوی کے معاملے میں ان کی تشویق و تحریض کو خراج تحسین ادا کیا گیا ہے ، اور ان کی درازی عمر کی دعا کی گئی اور یہ کہا گیا ہے کہ میں کھل کر تمہارے بارے میں نہیں کہہ سکتا کہ چشم بد سے ڈرتا ہوں ، پھر اپنی اس بات کو دل کا بہانہ قرار دیا ہے ۔ اس حصے میں حضور نبی کریم اور حضرت ابوطالب کا ایک مختصر سا واقعہ بیان ہوا ہے ، جس میں سرور کونین کو رسول ، احمد ، رسول پاکباز اور مجتبیٰ کے القاب سے یاد کیا گیا ہے ۔

مولانا چشم بد کی ضرر رسانی اور دل کی بہانہ جوئی کا ذکر کرکے ، کہ کس طرح یہ دونوں انسان کے مانع آتی ہیں ، کہتے ہیں کہ جب حضور کے چچا حضرت ابوطالب نے حضور اکرم کی توجہ اُس تنقید و تنقیص کی طرف دلائی جو عرب ان کے حق میں روا رکھے ہوئے تھے اور کہتے تھے کہ اس (ابوطالب) نے اپنے بھتیجے کی وساطت سے ہمارے دین کو بدل کے رکھ دیا ، آبا و اجداد کے منصب کو ترک کیا اور احمد کی پیروی کے نتیجے میں گمراہی کا شکار ہوا ، تو نبی مجتبیٰ نے اپنے چچا کو اس پریشانی سے نجات دلانے کی خاطر فرمایا کیا ہی اچھا ہو آپ بھی کلمہ پڑھ کر ایمان لے آئیں تاکہ خدا کے حضور میں آپ کی شفاعت کر سکوں ۔ ابوطالب کا جواب یہ تھا کہ مجھے اس راز (قبول اسلام) کے افشا ہونے کا ڈر ہے کیونکہ جب کوئی راز دو آدمیوں سے باہر آ جائے تو وہ کھل اور پھیل جاتا ہے ۔ تو اس صورت میں میں ان لوگوں کی نظروں میں خوار ٹھہروں گا ۔ ۔ ۔ اتنا واقعہ بیان کرنے کے بعد مولانا کہتے ہیں کہ اگر اللہ جل شانہ کا لطف و عنایت ان (ابوطالب) کے شامل ہوتا تو وہ راہِ حق پر گامزن ہونے میں اس بد دلی کا شکار کیوں ہوتے ؟ آخر میں مولانا نے حضورِ حق ''اختیار'' کے دو شاخہ اور مکرِ دل سے پناہ مانگی ہے ، کیونکہ ان کے مطابق اس اختیار کے آگے انسان تو ایک طرف آسمان بھی پناہ مانگتا ہے ۔

ایک غلام کی داستان میں جو اپنے طور پر اپنے آقا کی لڑکی کا طلبگار ہے اور جسے بعد میں لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں[9] ، مولانا نے یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ ہر انسان حرص و آز کا شکار ہے ۔ اس دنیا کی تمام نعمتیں

آزمائش سے قبل 'حسین نظر آتی ہیں لیکن ان کی حقیقت سراب سے بڑھ کر نہیں ۔ ۔ ۔ اس حصے میں حضور اکرم ؐ کا ذکر سعادت پرتو پیغمبر کے لفظ سے ہوا ہے ۔

مذکورہ بالا نکتہ پیش کرنے کے بعد مولانا نے سیدالبشر ؐ کی ایک حدیث بیان کی ہے جس کے مطابق حضور سرور کائنات ؐ نے فرمایا کہ اگر کسی کو جنت کی خواہش ہے تو وہ کسی چیز کے لیے اہل دنیا کے آگے دست سوال دراز نہ کرے ۔ جب وہ ایسا کرے گا (یعنی ہاتھ نہیں پھیلائے گا) تو میں جنت الماوٰی اور دیدار خداوندی کے لیے اس کی ضمانت دوں گا ۔ پھر ایک صحابی رض سے متعلق تلمیح ہے ، جو کچھ اس طرح ہے کہ حضور ؐ کے اس ارشاد پر کہ جو کوئی مجھے ایک چیز کا وعدہ دے میں اسے جنت کا وعدہ دیتا ہوں ، حضرت ثوبان رض نے عرض کیا یا رسول اللہ ؐ میں وعدہ کرتا ہوں ۔ ارشاد ہوا دنیا سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا ۔ ثوبان رض نے عرض کیا ایسا ہی ہوگا یا رسول اللہ ۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت ثوبان رض ۱۰۶ نے کبھی کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کیا ۔ ۔ ۔ اب ان کی یہ عادت ہو گئی کہ سواری کی حالت میں اگر کبھی ان کا چابک زمین پر گر پڑتا تو کسی سے اٹھا کر دینے کو نہ کہتے بلکہ سواری سے اُتر کر خود ہی اٹھاتے ۔ ۔ ۔ اس کے بعد مولانا کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ جس کی عطا و دہش میں کوئی خرابی و برائی نہیں ، بن مانگے خود ہی اپنے بندوں کو نوازتا ہے ، ہاں اگر انسان حکم خداوندی کے مطابق اس سے کچھ مانگے تو وہ روا ہے اور یہ طریق انبیاء علیہم السلام کا طریق ہے ۔ خدا کے حکم پر اختیار کیا گیا کفر بھی ایمان بن جاتا ہے کیونکہ یہ سب اس کی رضا کی خاطر ہوگا ۔ اسی طرح برائی اور نیکی کی مثال ہے :

گفت پیغمبر ؐ کہ جنت از آلہ
گر ہمی خواہی ، ز کس چیزی مخواہ
چون نخواہی من کفیلم مر ترا
جنت الماوی و دیدار خدا

ایک صیاد اور پرندے کی داستان کے دوسرے حصے میں جو مناظرۂ مرغ و صیاد پر مشتمل ہے ، حضور نبی کریم ؐ کی حدیث مبارکہ "لا رھبانیت فی الاسلام" کا بیان اور سرور کونین ؐ کا احمد ؐ ، رسول ؐ اور نبی ؐ کے الفاظ سے ذکر ہے ۔

کوئی صیاد زمین پر جال پھیلانے کے بعد خود کو گھاس وغیرہ میں لپیٹ سر پر گلدستہ سجا کر بیٹھ جاتا ہے تا کہ پرندے دھوکا کھا کر پھنس جائیں۔ ایک پرندے کا ادھر سے گذر ہوتا ہے۔ وہ قریب آ کر اس صیاد سے پوچھتا ہے کہ اے سبز پوش تُو کون ہے؟ صیاد اپنے آپ کو زاہد و متقی گوشہ نشین ظاہر کرتا ہے جس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو چکا ہے اور اسی لیے وہ اہل عالم سے الگ تھلگ عبادت الٰہی میں مصروف ہے۔ کہانی کا اتنا حصہ بیان کرنے کے بعد مولانا نے دنیا سے دل لگانے کی برائی کو موضوع سخن بنایا اور اس ضمن میں ایک چور اور مینڈھے کی تمثیل پیش کرکے پھر مذکورہ داستان کی طرف رجوع کیا ہے۔

پرندہ صیاد کی گوشہ نشینی سے متعلق باتیں سن کر اسے کہتا ہے کہ میاں اس خلوت و تنہائی سے باہر نکلو کہ دینِ احمدیؐ میں رہبانیت کو اچھا نہیں سمجھا گیا اور فخرِ موجوداتؐ نے اس سے منع فرمایا ہے، سو اگر تم نے اس کے باوصف یہ طریقہ اختیار کیا ہے تو بدعت کے مرتکب ہوئے ہو۔ اسلام میں تو جگہ جگہ اجتماع کی تلقین و تحسین کی گئی ہے۔ اس کی مثال میں جمعہ کی نماز (جس میں زیادہ علاقے کے لوگ شامل ہوتے ہیں) اور عام نمازوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے جنہیں باجماعت پڑھنے کا حکم ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لوگوں کو نیکیوں کی تلقین اور بُرے کام سے بچنے کی نصیحت کرو۔ بُرے لوگوں کی برائیوں کو صبر سے برداشت کرو اور دوسروں کے کام آؤ۔ تو یہ سب باتیں اجتماعی زندگی کی غماز ہیں اور اس لحاظ سے (اسلام میں) سب سے اچھا انسان وہی ہے جس کی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ اگر کسی کی زندگی اس کے برعکس ہے تو وہ مثل پتھر کے ہے جو مٹی کے ڈھیلوں کا حریف بنا بیٹھا ہے۔ پرندہ اسلام کی رہبانیت سے بیزاری اور اجتماعیت پسندی کا ذکر کرکے صیاد کو اُمت مرحومہ[۱۱] میں شامل ہونے، حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی سنت کو ترک نہ کرنے اور ''محکومِ شرع'' بننے کی تلقین کرتا ہے، اس لیے کہ ''جماعت'' رحمت ہے اور حصولِ رحمت کے لیے جد و جہد باعث سربلندی:

مرغ گفتش خواجہ در خلوت مایست
دین احمدؐ را ترہّب نیک نیست

از ترہّب نہی فرمود آن رسولؐ
بدعتی چون بر گرفتی ای فضول
جمعہ شرطست و جماعت در نماز
امر معروف و ز منکر احتراز
خیرُ ناس ان ینفع الناس[۱۲] ای پدر
گر نہ سنگی چہ حریفی با مدر
درمیانِ امتِ مرحوم باش
سُنت احمدؐ مہل محکوم باش
چون جماعت رحمت آمد ای پسر
جہد کن کز رحمت آری تاج سر

صیاد پرندے کے جواب میں اپنی منطق چھانٹتا ہے اور تنہائی و خلوت کو ایک حدیث کے حوالے اور بعض دیگر دلائل کی رُو سے بہتر قرار دیتا اور لوگوں کو یارانِ بد ، اور عقل سے عاری افراد کو کلوخ و سنگ کہتا ہے ۔ پھر اسی طرح بحث کرتے ہوئے انسان اور اس کے سائے کی دلیل لاتا ہے جس کے مطابق انسان کے سائے سے کسی کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا خواہ وہ انسان کیسی ہی عظیم شخصیت کا مالک کیوں نہ ہو ، اس لیے انسان کو سائے کی بجائے اس کے اصل کی تلاش کرنا چاہیے ۔ صیاد فنا پذیر مادی دوستی کی صحبت کو شوم قرار دیتے ہوئے اسے ترک کرنے کی تلقین کرتا اور ایک حدیث مبارکہ کے حوالے سے اسے مردہ سمجھنے کو کہتا ہے ۔ اس کے مطابق ایسے لوگوں سے صحبت رکھنے والا در اصل راہب ہے کیونکہ انسان نہیں بلکہ پتھر اور مٹی کے ڈھیلے اس کے مصاحب ہیں ۔ جو اصل سنگ و کلوخ ہیں ان سے تو کسی کو کوئی تکلیف و اذیت نہیں پہنچتی لیکن یہ انسان نما کلوخ کیسے کیسے آزار انسان کو نہیں پہنچاتے :

در جوابش گفت صیاد عیار
نیست مطلق این کہ گفتی ہوشدار
ہست تنہائی بہ از یارانِ بد[۱۳]
نیک چون با بد نشیند بد شود
حکم او ہم حکم قبلہُ او بود
مردہ اش دان چونکہ مردہ ُجو بود[۱۴]

هر که با این قوم باشد راهب است
که کاوخ و سنگ او را صاحبست
خود کاوخ و سنگ کس را ره زند ؟
زین کاوخان صد هزار آفت رسد

پرنده بھی احادیث رسول مقبولؐ کا دامن تھام کر اس کے فلسفہ کی کاٹ کرتا ہے ۔ اس کے مطابق جب تک ایسے رہزن موجود ہیں ان کے خلاف مسلسل جہاد ضروری ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ جواں مرد اور شیر مرد کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ دشمنوں اور ہر قسم کے مصائب و مشکلات میں رہ کر اپنی زندگی کے کارواں کو رواں دواں رکھتا ہے ۔ اسی وجہ سے حضور سرور کونینؐ کے اُمتی مجاہد ، شجاع اور جواں مرد ہیں ۔ اس کے بعد وہ مشہور شعر ہے جسے حکیم الامت نے بالِ جبریل کی ایک نظم ''پیر و مرید'' میں مرید ہندی کے جواب میں پیر رومی کے منہ سے کہلوایا ہے اور جس کے مطابق دین محمدیؐ میں جنگ و شکوہ ہی مصلحت ہے جب کہ دین عیسٰی میں غار و کوہ یعنی رہبانیت ہی کو مصلحت قرار دیا گیا ہے ۔ غرض پرندہ ، صیاد کو مرد خدا ہونے کی صورت میں تلاشِ ''مصلحت'' کی تلقین کرتا ہے اور ظاہر ہے اس سے اس کی مراد وہی رہبانیت سے دوری اور جہادِ مسلسل ہے :

چون نبی السیف بود است آن رسولؐ
امت او صفدرانند و نحول
مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوه
مصلحت در دین عیسٰی غار و کوه
مصلحت داده است هر یک را جدا
مصلحت جو گر توئی مردِ خدا

اس کے بعد پھر صیاد کی طرف سے ، اپنے دفاع میں ، کچھ دلائل دیے گئے ہیں اور اس ضمن میں احادیث مبارکہ کا دامن تھاما گیا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان زور و قوت کا مالک ہو لیکن جب وہ اس سے عاری ہو تو جہاد وغیرہ سے پرہیز و فرار ہی بہتر ہے[۱۵] ۔ وہ انجام کار کی فکر کرنے اور اس سلسلے میں دوست یعنی مرشد تلاش کرنے کو کہتا ہے تا کہ چاہ اور راہ سے صحیح معنوں میں

آگاہی ہو سکے ۔ پرندہ تلاش دوست کے لیے صدقِ دل کو شرط قرار دیتا ہے کہ اسی سے دوستی پائدار و محکم ہوتی ہے ۔ جب انسان خود میں ایک صحیح دوست کی صفات پیدا کر لیتا ہے تو دشمنوں سے نجات پا جاتا ہے ، بصورت دیگر تنہائی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور اس عالم میں وہ شیطان کے حملوں کا اسی طرح شکار ہو جاتا ہے جس طرح ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بھیڑ ، بھیڑیے کے ہتھے چڑھ جاتی ہے ۔

پرندہ ، شیطان کو بھیڑیے[16] سے اور انسان کو (حضرت) یوسفؑ سے تشبیہ دیتے ہوئے اس (شیطان) سے بچنے کے لیے حضرت یعقوبؑ کا دامن تھامنے کی تلقین کرتا ہے ، جس سے اس کی مراد جماعت سے پیوستہ رہنا ہے ، کیونکہ جو کوئی جماعت سے کٹ گیا وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر گیا ۔ مولانا پرندے کی زبان سے سنت کو ''راہ'' اور جماعت کو ''رفیق راہ'' بتا کر ان دونوں سے کٹنے کو تباہی و ہلاکت کا سبب قرار دیتے اور ''جماعت میں رحمت ہے'' کا نکتہ بیان کرتے ہیں ۔

در اصل ، جیسا کہ پہلے بیان ہوا ، اس قسم کی داستانوں اور مناظروں وغیرہ سے مولانا کا مقصود مختلف آیات و احادیث و مسائل وغیر ذالک کو توضیح و تشریح کے ساتھ قاری تک پہنچانا ہے ۔ ایسے موقعوں پر داستان یا مناظرہ کے کردار پس منظر میں چلے جاتے ہیں اور ان کی مختلف توجیہات و بیانات کا ان کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ، جیسا کہ اس مناظرہ میں صیاد کی گفتگو میں نظر آتا ہے ، کہ اس کا اپنا کردار تو منافقانہ اور ظالمانہ ہے لیکن اس کی گفتگو احادیث سے مزین ہے ۔

گفت آری گر بود یاری و زور
تا بقوت بر زند بر شر و شور

قوتی باید در این رہ مرد وار
یار می باید در این جا فرد وار

چون نباشد قوتی پرہیز بہ
در فرار از لا یطاق آسان بجہ

صنعت اینست ای عزیز نامدار
فکرتی کن در نگر انجام کار

صیاد اور پرندے کی داستان سے قبل حضور پاکؐ کی حدیث مبارکہ "استفت قلبک و لو افتاک المفتون"[۱۷] (یہ حدیث اس طرح بھی ہے : اے وابصہؓ ! اپنے دل سے پوچھ لیا کر ۔ نیکی وہ ہے جس پر تیرے دل کو اطمینان ہو جائے اور تیری روح کو سکون محسوس ہو اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کشمکش پیدا کر دے اور سینے میں تردد کی کیفیت ظاہر ہونے لگے ، اگرچہ لوگ اس کے خلاف ہی فتویٰ دیتے رہیں[۱۸]) کے بیان میں حضور اکرمؐ کو رسول اور پیغمبرؐ کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے ۔

اس سے پیشتر مولانا نے آرزو سے دامن بچانے کی تلقین کی ہے ۔ ان کے مطابق یہ دنیا دام ہے اور آرزو اس دام میں پڑا ہوا دانہ ۔ جب انسان خود کو اس دام و دانہ سے محفوظ و مامون کر لیتا ہے تو کشاد و البساط اس کا مقدر بن جاتا ہے ۔ پھر یہ کہہ کر کہ ضد کی پہچان ضد سے ہوتی ہے سرورِ دو عالم کے مذکورہ ارشاد کا حوالہ دیا ہے ۔ سید کونینؐ کے بیانِ صدق نشان کے مطابق انسان کو کسی چیز کے اچھے یا بُرے ہونے کے بارے میں اپنے دل سے فتویٰ طلب کرنا چاہیے ، ہر چند مفتی اس کے متعلق کتنے ہی عمدہ دلائل کیوں نہ پیش کرے ۔ پھر اسی ارشاد مبارک کو دوسرے انداز میں پیش کیا گیا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ خود انسان کا ضمیر اُسے اس کی بیہودہ اور فضول آرزوؤں کا پتا دیتا ہے ، اس لیے اس کے فیصلے کو مقدم جاننا ضروری ہے ۔ اس کے بعد ترکِ آرزو کا درس دیا گیا ہے ، کہ اس سے رحمت خداوندی جوش میں آتی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو تارک آرزو انسان ہی پسند ہے ۔ مولانا کے نزدیک انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر لمحہ ترساں و لرزاں رہے تا کہ داورِ حقیقی کی نظرِ عنایت اس پر پڑتی رہے ۔ اور اگر انسان اس معاملے میں غافل ہو جاتا ہے تو قدرتِ خداوندی بہ ہر حال اپنا عمل (جزا سزا ، جو بھی ہو) کر کے رہتی ہے :

این جہان دامست و دانہ اش آرزو
در گریز از دانہای آرزو
چون چنین رفتی بدیدی صد گشاد
چون شدی در ضد او دیدی فساد
چون شدی در ضد بدانی ضد آن
ضد را از ضد شناسند ای جوان

پس پیمبرؐ گفت استفت القلوب
گرچہ مفتیشان برون گوید خطوب
گفتہ است استفت قلبک آن رسولؐ
گرچہ مُفتی برون گوید فضول

حضور رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہونے والے ایک نابینا کی داستان میں حضور کو پیغمبرؐ، نوابخش، میرِ آب، ساقی، "رسولِ رشکناک" اور "خورشیدِ صد تو" ایسے القاب و الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔

ایک نابینا صحابیؓ حضورؐ کی خدمت والا میں حاضر ہو کر طالبِ دستگیری ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو انہیں آتے دیکھا تو پردے کی خاطر جلدی سے اندر تشریف لے گئیں۔ یہاں مولانا، حضورؐ کی ایک حدیث[۱۹] سے استفادہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا اس طرح تیزی سے اندر تشریف لے جانا اس وجہ سے تھا کہ آپ، حضور پاکؐ کی غیرت سے پوری طرح آگاہ تھیں۔ پھر مولانا نے ظاہری جمال و زیبائی کو رشک و غیرت کا سبب بتایا اور اس ضمن میں بوڑھی عورتوں کی مثال دی ہے جو اپنے بوڑھے شوہروں کی زشتی و پیری سے آگاہ ہونے اور ہر طرح کے رشک و غیرت کا وقت گذر جانے کے بعد ہی گھروں میں کنیزیں رکھتی ہیں۔ تو جب ظاہری حُسن و جمال باعث غیرت و رشک ہے تو سرکارؐ دو جہاں کو تو، جن کے جمال کی ہر دو عالم میں مثال نہیں، دونوں جہانوں کی غیرت و ناز کا حق پہنچتا ہے۔ چونکہ مولانا نے یہاں فخرِ موجوداتؐ کو "خورشید صد تو" کہا ہے اس لئے اب وہ خورشید کی زبان سے اس کی اپنی عظمت و برتری کا ذکر کرتے ہیں کہ کس طرح اس کے طلوع ہونے پر ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں حضورؐ کے وجودِ مسعود میں آنے کے بعد دیگر تمام ہستیاں ہیچ و نیست ہو کر رہ گئیں:

ہر کہ زیبا تر بود رشکش فزون
ز انکہ رشک از ناز خیزد با بنون
کندہ پیران شوی را قہا دہند
چونکہ از پیری و زشتی آگہند
چون جمال احمدیؐ در ہر دو کون
کی بُدست ای نورِ یزدانیش عون

نازہای ہر دو کون او را رسد
غیرت ، آن خورشید صد تو را رسد

خورشید کی زبان سے اس کی اپنی برتری کے ذکر کے بعد مذکورہ داستان کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے ، جس میں حضور نبی کریمؐ کے حضرت عائشہؓ کو آزمانے کا قصہ بیان ہوا ہے۔

سرور کونینؐ نے آزمائش کے طور پر حضرت عایشہؓ سے فرمایا کہ وہ شخص تو دیکھ نہیں سکتا تم کیوں چھپ گئیں۔ جواب میں آپؓ نے اشارے سے بتایا کہ وہ نہیں دیکھ سکتا تو میں تو اسے دیکھ سکتی ہوں۔ اس کے بعد مولانا نے عقل اور روح کی بحث چھیڑتے ہوئے روح کی خوبیوں کو عقل کے لیے باعثِ رشک و غیرت ٹھہرایا ہے۔

حدیث۲۰ "موتوا قبل ان تموتوا" کے معانی اور حکیم سنائی کے ایک بیت "بمیر ای دوست ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فخر موجوداتؐ کو مصطفیٰؐ محمد ، احمدؐ ، قیامتؐ اور رسولؐ خوش پیام کے اسماء و القاب سے یاد کیا گیا ہے۔

مولانا کے مطابق "موتوا" کا مطلب اپنی ذات یا "میں" کو فنا کرنا ہے کہ انسان کی روحانی ترقیوں کی راہ میں یہ "میں" بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اور مرگ سے مراد قبر کی طرف لے جانے والی موت نہیں بلکہ وہ تبدیلی ہے جس سے انسان خوشیوں اور مسرتوں سے دو چار ہوتا ہے جیسے آدمی بالغ ہوتا ہے تو اس کا بچپن مر جاتا ہے۲۱۔ اس کے بعد سرکارؐ دو عالم کو "صد قیامتؐ" کہا گیا ہے۔ چونکہ حضورؐ اکرم میدان حل و عقد کے خلاصہ ہیں اس لیے ہر چیز یعنی اس فانی زندگی اور ہستی بقا باللہ وغیرہ کا بست و کشاد بھی حضورؐ ہی کی مدد سے اور حضورؐ ہی کے دست مبارک میں ہے۔ پھر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ نبی کریمؐ اس عالم میں فطرتاً مولود ثانی۲۲ ہونے کے باعث واضح طور پر بمنزلہ "صد قیامت" کے تھے۔ اس سے مولانا کی مراد صوفیہ کا یہ قول ہے کہ سالک کی دو ولادتیں ہیں۔ اول ماں کے پیٹ سے اور دوسری احکام طبیعت کی قید سے رستگاری کی صورت میں ، اور حضورؐ سرور کائنات فطرت ہی سے احکام طبع سے آزاد تھے۔۲۳

مولانا کو جس لفظ سے ، اس کی کسی معنوی خوبی یا عظمت کے سبب ، خاص لگاؤ ہوتا ہے اس کو وہ کسی نہ کسی بہانے بار بار اور

اکثر مختلف معنوں میں استعمال کرتے چلے جاتے ہیں ، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تکرار کلمہ ناگوار گذرنے کی بجائے قاری کو نہ صرف متاثر کرتی بلکہ اس کے دل پر ایک خاص دبدبہ و ہیبت بھی بٹھاتی ہے ۔ مثلاً اس سے قبل انہوں نے لفظ ''قیامت'' دو مرتبہ ، اس کے بعد کوئی پانچ مرتبہ اور اُس کے ہم معنی لفظ ''عشر و حشر'' ایک مرتبہ استعمال کئے ہیں ، اور اس تکرار میں جو تاثیر و ہیبت ہے وہ واضح و روشن ہے ۔

سید البشرؐ سے جب کبھی پوچھا جاتا کہ یا رسولؐ اللہ (یہاں حضورؐ کو قیامت کہا گیا ہے) قیامت کا وقوع کب ہے ؟ تو زبان حال سے ارشاد ہوتا بھلا کوئی محشر سے بھی حشر کے بارے میں پوچھا کرتا ہے[۲۳] ۔ مولانا کے مطابق اسی نکتے کو سمجھانے کی خاطر سرورؐ دو عالم نے فرمایا کہ اے کریم النفس لوگو ! موت سے پہلے مر جاؤ جس طرح خود میں (حضورؐ) موت سے پہلے مر گیا اور یوں لافانی عظمت و بزرگی میری قدمبوس ہوئی ۔ مولانا تلقین کرتے ہیں کہ اگر قیامت دیکھنے کی آرزو ہے تو خود قیامت بن جاؤ کہ یہی شرط ہے ہر چیز کے دیکھنے کے لیے ۔ اور اگر وہ کچھ نہیں بنو گے (اس میں فنا نہیں ہوگے) تو اس کے بارے میں کچھ نہ جان سکو گے خواہ وہ شے نور ہو یا تاریکی ۔ دوسرے لفظوں میں کمالِ قرب حق کے حصول کے لیے انسان کا اپنی ذات کو فنا کرنا ضروری ہے :

مصطفیٰؐ زین گفت کای اسرار جو
مردہ را خواہی کہ بینی زندہ تو
پس محمدؐ صد قیامت بود نقد
زانکہ حل شد در فنایٔ اش حل و عقد
زادۂ ثانیست احمدؐ در جہان
صد قیامتؐ بود اوؐ اندر عیان
زو قیامت را ہمی پرسیدہ اند
کای قیامتؐ تا قیامت راہ چند ؟
با زبانِ حال می گفتی بسی
کہ ز محشرؐ ، حشر را پرسد کسی ؟
بہر این گفت آن رسولؐ خوش پیام
رمز موتوا قبل موتٍ یا کرام

حضرت بلالؓ کے ذوق و شوق اور ان کے آقا کی آزار رسانی سے متعلق داستان کوئی پانچ حصوں میں بیان ہوئی ہے ۔ ان تمام حصوں میں محسنؐ بشریت کا ذکر سعادت پر تو مختلف اسماء و القاب سے آیا ہے ۔

پہلے حصے میں حضرت احمدؐ مجتبیٰ اور خدائے وحدہٗ لا شریک کو یاد کرنے کی پاداش میں حضرت بلالؓ کو آقا کی طرف سے اذیتیں دیئے جانے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس امر سے آگاہ ہونے کا تذکرہ ہے ۔ مولانا بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کا یہودی آقا انہیں حضور فخر موجودات کا نام مبارک لینے پر دھوپ میں بٹھا دیتا اور اذیتیں پہنچایا کرتا ، لیکن وہ اس عالم میں بھی ذکر احد و احمدؐ سے باز نہ آتے ۔ ایک موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ کا اُدھر سے گذر ہوا تو آپ کے کانوں میں ''احد ، احد'' کی آواز پڑی ، جس میں ''آشنائی'' کی بُو تھی ۔ حضرت صدیقؓ نے بعد میں انہیں خلوت میں سمجھایا کہ اپنے ذوق و شوق کا برملا اظہار نہ کرو ۔ یہ عالم اسرار ہے اس میں اپنی خواہش کو پنہاں رکھنا ہی بہتر ہے ۔ اس پر حضرت بلالؓ نے توبہ کا وعدہ کیا ، لیکن اگلے ہی روز حضرت ابو بکر صدیقؓ کو پھر وہی منظر نظر آیا ، زخموں سے چور حضرت بلال ''احد ، احد'' کا ورد کر رہے ہیں۔ حضرت صدیقؓ اکبر کا دل تڑپ اٹھا ۔ آپ نے پھر اُنہیں سمجھایا ۔ انہوں نے پھر توبہ کی ،لیکن ، بقول مولانا ، جب عشق سے واسطہ پڑ جائے تو سب توبہ ووبہ بھول جاتی ہے ۔ حضرت بلالؓ نے کئی مرتبہ ایسی توبہ کی لیکن انجام کار اس سے بیزار ہو گئے ، اور ہر طرح کی اذیت سے بے پروا ہو کر علانیہ حضور اکرمؐ سے عشق کا اظہار شروع کر دیا ۔ مولانا نے یہاں حضرت بلالؓ کی زبان سے سیدالساداتؐ کو ''عدو توبہ ھا'' کہلوایا ہے جو کسی ذات گرامی سے انتہائی عشق و عقیدت کا بڑا والہانہ اظہار ہے ۔

حضرت بلالؓ خطاب بہ ذات والائے سرور کونینؐ عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ ! آپ میری رگ رگ اور میرے روئیں روئیں میں سمائے ہوئے ہیں ۔ پھر یہاں توبہ کی گنجائش کہاں ؟ آج سے میں نے اس توبہ ووبہ سے توبہ کی ۔ میں حیات جاوداں کے لیے توبہ کیونکر کر سکتا ہوں ؟ عشق کی قہاری نے مجھے اپنا مقہور بنا لیا ہے اور عشق نے اپنے نور سے میری ذات کو منور کر دیا ہے ۔ ۔ ۔ اس کے بعد عشق کے حضور حضرت بلالؓ کی خود سپردگی اور خاکساری کا بیان ہے جو در حقیقت خود مولانائے روم

کے اپنے جذبات و احساسات کی عکاسی کرتا ہے :

تن فدای خار میکرد آن بلال
خواجہ اش میزد برای گوشمال
کہ چرا تو یاد احمدؐ می کنی
بندۂ بد ، منکر دین منی
میزد اندر آفتابش او بہ خار
اوؐ "احد" میگفت بہر افتخار

دوسرے حصے میں نبیؐ کریم کی معراج سے واپسی اور حضرت بلالؓ کو جنت کی بشارت دینے کا ذکر ہے ۔ بظاہر اس کا تعلق حضرت ابن عباس سے مروی اس حدیث سے نظر آتا ہے کہ جس شب حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معراج کرایا گیا اور حضور فخر دو عالم جنت میں داخل ہوئے تو اس کے ایک جانب سے حضورؐ نے کسی کی آہٹ سنی ۔ محسن اعظمؐ نے حضرت جبرئیل سے اس شخص کے بارے میں پوچھا ، جواب ملا یہ حضور کا مؤذن بلالؓ ہے ۔ حضورؐ ختمی مرتبت جب صحابہؓ کو واقعہ معراج سنا رہے تھے تو بلالؓ کو بھی یہ روداد سنائی ۔۲۴

غرض حضرت صدیقؓ اکبر کو جب حضرت بلال کی اس توبہ شکنی کا علم ہوا تو آپ نے سرورؐ کونین کے حضور یہ ماجرا کہہ سنایا کہ کس طرح عشق محمدیؐ کے سبب وہ شکنجہ و آزار کا شکار بنے ہوئے ہیں ۔ یہاں مولانا حضرت بلالؓ کو باز سلطان سے اور ان کے آقا وغیرہ کو اُلوؤں سے تشبیہ دے کر باز پر اُلوؤں کے ظلم و ستم کا تذکرہ کرتے اور اس کا سبب ، مشہور ضرب المثل "اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی" کے مصداق ، ان (بلال) کے اس عشق و خوبی کو قرار دیتے ہیں ۔ اس ضمن میں وہ حضرت یوسفؑ سے متعلق تلمیح سے استفادہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کا جرم سوائے "خوبی" کے اور کیا تھا ۔

اس کے بعد اُلو کی ویرانہ پسندی کا ذکر اور پھر حضرت بلالؓ کی اذیت پذیری اور عاشقی کا بیان ہے ۔ جس میں ایک جگہ کہتے ہیں کہ عاشقی اور توبہ یا امکان صبر ، دونو کا ملاپ محال ہے ۔ بقول سعدی :

دلی کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است
ز عشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است۲۵

از سوی معراج آمد مصطفیٰ ؐ
بر بلالش حبذا آن حبذا
چونکہ صدیق ؓ از بلال ؓ دم درست
این شنید از توبۂ او دست شست
بعد از آن صدیق ؓ نزد مصطفیٰ ؐ
گفت حال آن بلال با صفا
کان فلک پیای میمون نال چست
این زمان از عشق اندر دام تست
باز سلطانست ز آن جغدان برج
در حدث مدفون شد ست آن زفت گنج

تیسرا حصہ حضور ؐ پاک کی جانب سے حضرت بلال ؓ کی خریداری کے لیے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے تعین کی داستان پر مشتمل ہے ، اس میں سیدالبشر ؐ کو چار مرتبہ مصطفیٰ ؐ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے ۔

تو جب حضور نبی کریم ؐ کو حضرت بلال ؓ کے قصے کا علم ہوا تو حضور ؐ کی اس طرف توجہ بڑھی ۔ حضور ؐ کی اس توجہ و عنایت کے باعث حضرت ابوبکر ؓ کو حوصلہ ہوا اور آپ ؓ کا گویا رواں رواں زبان بن کر یہ داستان بیان کرنے لگا ۔ حضور ؐ نے فرمایا اس سلسلے میں کیا قدم اُٹھانا چاہیے ۔ جواب میں حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا کہ وہ ہر قسم کے ظاہری نقصان و تأسف کا خیال رکھے بغیر بلال ؓ کو ہر قیمت پر خریدنے پر آمادہ ہیں ۔ اس کی وجہ آپ ؓ نے یہ بتائی کہ بلال ؓ روے زمین پر ''اسیر اللہ'' ہیں اور ''عدو اللہ'' کے ہاتھوں مشق ستم بنے ہوئے ہیں ۔ فخر ؐ دو جہاں نے اس ارادۂ خریداری پر نہ صرف صاد فرمایا بلکہ نصف قیمت خود ذات گرامی کی طرف سے ادا کرنے کی پیشکش بھی فرمائی ۔ حضرت ابوبکر ؓ نے سر تسلیم خم کیا اور حضرت بلال ؓ کے یہودی آقا کی طرف روانہ ہو گئے ۔

یہاں مولانا نے حضرت بلال ؓ ، دوسرے الفاظ میں عاشق خدا و رسول ؐ کو ایسے گوہر سے تشبیہ دی ہے جو بھوں کے ہاتھ میں ہو اور جسے ان سے بڑی آسانی سے خریدا جا سکتا ہو ۔ آگے ایسے دنیا پرست لوگوں کا ذکر ہے جنہیں شیطان اس مردار دنیا کی ظاہری زینت و آرائش کی جھلکیاں دکھا کر ان کے عقل و ایمان کا سودا کر لیتا ہے اور ایسے نادان و

بے شعور انسان خوشی خوشی اپنا سب کچھ دے کر اس گھاٹے کے سودے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اگلے حصے میں حضرت ابوبکرؓ کے اس یہودی کے پاس جانے اور آپ کی مذکورہ خواہش کے اظہار کا ذکر ہے۔ اس کے آخر میں بھی حضور سرکار دو عالمؐ کو رسولؐ نبی اور مصطفٰی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب باصرار حضرت بلالؓ کا سودا کر لیا تو یہودی کو اس سودے پر بڑی ہنسی آئی کہ ایک معمولی حبشی غلام کو اتنی بڑی قیمت دے کر خرید لیا گیا ہے۔ وہ تو محض ضد کی بنا پر بیچنا نہیں چاہتا تھا ورنہ اس کے نزدیک بلالؓ کی قیمت تو بڑی تھوڑی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہودی کی باتیں سن کر کہا کہ تمہیں اس کی قیمت کا پتا ہی نہیں، وہ تو زر خالص ہے۔

قصہ کوتاہ حضرت ابوبکرؓ، اذیت و شکنجہ دیدہ بلالؓ کو لے کر نبی کریمؐ کے حضور روانہ ہوئے۔ مولانا اذیت کشی کے سبب حضرت بلالؓ کی جسمانی حالت کو خلال سے تشبیہ دے کر کہتے ہیں کہ وہ خلال بنے تو انہیں دہان و شیریں زبان کے قرب کا تفاخر حاصل ہوا، بالفاظ دیگر عشق رسولؐ کی بدولت وہ عظمت و فضیلت سے نوازے گئے۔ غرض بلالؓ چونکہ دل و جان سے حضور پر ایمان لے آئے تھے، حضرت ابوبکرؓ انہیں لے کر سیدھے سیدالبشرؐ کی خدمت والا صفت میں پہنچے۔ جب بلالؓ نے حضور شافع محشر کا روئے مبارک دیکھا تو وہ غش کھا کر پیچھے کو جا گرے اور کچھ دیر تک بے ہوش رہے اور جب انہیں ذرا ہوش آیا تو مارے خوشی کے ان کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ پڑے۔ سرورؐ دو عالم نے انہیں اپنے پہلو میں کھینچ لیا۔ یہاں مولانا نے یہ کہہ کر کہ جس بخشش سے بلالؓ نوازے گئے ہر کسی کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی، مختلف امثال و تشبیہات سے ان کی کیفیت کی تصویر کشی کی ہے۔ مثلاً مس (تانبا) کو اکسیر کا قرب حاصل ہوا، یا کوئی مفلس بھر پور خزانے سے شاد کام ہوا یا مثلاً نیم مردہ مچھلی بحر میں جا پڑی اور اس طرح اسے نئی زندگی مل گئی، اور یا کوئی گم کردہ راہ قافلہ صحیح سمت پر گامزن ہو گیا۔ پھر کہتے ہیں کہ اس موقع پر جو کچھ فخرؐ موجودات نے فرمایا اگر وہ رات پر اثر انداز ہو جاتا تو رات کی تاریکیاں چھٹ جاتیں اور اس کی کیفیت روز روشن کی سی ہو جاتی۔ اس کے بعد مولانا اس

کیفیت کے بیان میں خود کو عاجز قرار دے کر بعض دوسری امثال سے اس کی وضاحت کی کوشش کرتے ہیں ، جیسے خورشید برج حمل میں ہو تو اس کا نبات وغیرہ پر کیا اثر پڑتا ہے ، اسی طرح آب زلال ، پھلوں پھولوں اور پودوں درختوں کی بہتر نشو و نما میں کس قدر مؤید و مؤثر ہوتا ہے ۔

داستان کے پانچویں حصے میں حضور ؐ اکرم کے حضرت ابوبکر صدیق رض سے کسی قدر ناراض ہونے کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضور ؐ کے ارشاد کے با وصف حضور ؐ کو اس نیک کام (خریداری بلال رض) میں کیوں شریک نہ کیا ۔ حضور اکرم ؐ حضرت ابوبکر رض سے پوچھتے ہیں کہ انہوں نے کس بنا پر بلال رض کو صرف اپنی جیب سے خریدا ۔ حضرت جواب میں عرض کرتے ہیں کہ ہم دونوں حضور ؐ کے غلام ہیں ۔ میں بلال رض کو حضور ؐ کی خاطر آزاد کرتا ہوں ، حضور ؐ مجھے اپنا غلام اور یار غار بنا لیں ۔ مجھے حضور ؐ سے آزادی کی قطعاً خواہش نہیں ، کہ حضور ؐ کی غلامی پر ہزاروں آزادیاں قربان کی جا سکتی ہیں ، حضور ؐ کے بغیر زندگی میرے لیے رنج و محن کا باعث ہو گی ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد کئی ایک اشعار میں حضرت ابوبکر رض کی طرف سے سیدالسادات ؐ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اس ضمن (خراج عقیدت) میں اپنی کوتاہ دامنی کا اظہار و اعتراف کیا گیا ہے ، اور حقیقت میں یہ سب کچھ نبی ؐ کریم کی ذات اقدس کے بارے میں خود مولانا کے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار ہے ۔ اپنی کوتاہ دامنی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے ایک جگہ حضرت موسیٰ ؑ اور چرواہے سے متعلق تلمیح سے بھی استفادہ کیا ہے ، جس کے مطابق کوئی چرواہا خدا سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا کہ اے خدا اگر تو مجھے مل جائے تو میں تیرے سر کی جوئیں نکالوں ، تجھے دودھ پلاؤں اور تجھے چادر پہناؤں ۔ ۔ الخ ۔ ۔ پھر ایک جگہ حضور نبی کریم ؐ کے دو عشاق حضرت ہلال رض اور حضرت بلال رض کا ذکر کرکے حضور کی ایک حدیث مبارکہ ''ارحنا یا بلال'' (اے بلال رض نماز کے ذریعے ہمیں راحت پہنچا) کا حوالہ دیا گیا[۲۶] ہے جس سے مراد یہ ہے کہ حضور ؐ نے بلال رض سے فرمایا کہ پہلے تم ذکر خدا ڈر ڈر کر کیا کرتے تھے اب کھل کر کرو :

سید ؐ کونین سلطان ؐ جہاں
در عتاب آمد زمانی بعد از آن

گفتؐ ای صدیقؓ آخر گفتمت
کہ مرا انباز کن در مکرمت
تو چرا تنہا خریدی بہر خویش ؟
باز گو احوال ای پاکیزہ کیش"
گفت ما دو بندگان کوی تو
کردمش آزاد من بر روی تو
توؐ مرا میدار بندہ و یار غار
ہیچ آزادی نخواہم زینہار

حضرت بلالؓ کے بعد حضرت ہلالؓ کی داستان چار حصوں میں بیان ہوئی ہے ۔ اس کے تین حصوں میں سرورؐ کونین کو شہنشاہؐ ، مصطفیٰؐ ، قطبؐ دوران زمان ، سلطانؐ ، ماہ وغیرہ ایسے القاب سے یاد کیا گیا ہے ۔

حضرت ہلالؓ کے متعلق فروزالفرحوم نے جو تفصیل دی ہے وہ اس طرح ہے : ابی دردارضؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ دروازے سے ایک جنّی داخل ہوا ۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا تو کوئی نہ تھا پھر ایک حبشی سیاہ اُون کا چوغہ پہنے داخل ہوا ۔ چوغہ میں جا بجا پیوند تھے ۔ اُس نے سلام کیا ۔ حضورؐ نے حال دریافت فرمایا ۔ کہا میں بخیریت ہوں اور حضورؐ کی خیریت کا دعا گو و طالب ۔ حضورؐ نے فرمایا ہلالؓ ہمارے لیے دعا کرو ۔ اس نے کہا حضورؐ بخشے ہوئے ہیں ، حضورؐ کو دعاؤں کی کیا حاجت ؟ ابودردارضؓ نے کہا تو میرے لیے ہی دعا کر دیں ، تو اُس نے مجھ سے کنی کترائی ۔ دوبارہ اصرار پر اُس نے حضورؐ سے پوچھا حضورؐ کو تو ناراضگی نہیں ہے ؟ پھر کہا خدا تیرے (ابودردا کے) گناہ بخشے ، اور چلا گیا ۔ حضورؐ نے فرمایا اگر کہوں کہ اُس کا دل عرش سے معلق ہے تو یہ مبالغہ نہ ہو گا ، لیکن یہ آدمی ادھر تین دن سے زیادہ نہیں رہے گا ۔ جب تیسرا دن آیا ، حضورؐ مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے ، ہم ساتھ تھے ۔ مغیرہؓ بن شعبہ کے گھر کی طرف چل دیئے ، وہ مکان سے نکل رہا تھا ۔ حضورؐ نے دعا دے کر پوچھا کہ تمہارے ہاں کوئی فوت ہوا ؟ وہ حیران رہ گیا ۔ حضورؐ نے فرمایا ہلالؓ فوت ہوا ہے ۔ حضورؐ کے ساتھ سب نے تلاش شروع کی ۔ اصطبل کے ایک کونے میں سر بسجدہ پایا اور جان بحق ۔ اُسے اٹھا کر حضورؐ نے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور فرمایا کہ وہ اُن سات آدمیوں میں سے تھا جن

کے سہارے زمین قائم ہے اور جن کے ذریعے آسمان سے بارش برستی ہے بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ بہتر ہے۔[۲۸]

اور مولانا کے مطابق حضرت ہلالؓ اللہ کے بڑے ہی مخلص بندے، صاحب بصیرت انسان اور کسی مسلمان (مغیرہ) کے یہاں سائس تھے۔ اتفاق سے وہ ایک موقع پر بیمار پڑ گئے اور کوئی تو دن تک اصطبل میں بے یار و مددگار اور عالم کسمپرسی میں پڑے رہے۔ ان کا مالک ان کی اس بیماری سے بے خبر رہا، جبکہ حضورؐ نبی کریم کو بذریعہ وحی ان کی اس حالت کا علم ہو گیا۔ یہ بیان کرکے مولانا کہتے ہیں کہ اس ذات گرامی کو جو بنی نوع انسان کی شہنشاہ ہے اور جسؐ کی انتہائی کھری بصیرت کو ہر جگہ رسائی حاصل ہے، وحی کے ذریعے رحمت حق کے جوش میں آنے اور اس (ذاتؐ گرامی) کے ایک مشتاق کی بیماری کی خبر دی گئی۔ چنانچہ محسنؐ بشریت، صاحب عظمت ہلالؓ کی عیادت کے لیے اپنے چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، کے ہمراہ اس جانب تشریف لے گئے۔ مولانا نے اس روانگی کو خورشید وحی کے پیچھے پیچھے چاند کی ستاروں کے ہمراہ روانگی سے تشبیہ دی اور اس کے بعد فخر موجوداتؐ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں جو راہروؤں کی تو ہدایت و رہنمائی کرتے ہیں لیکن شیطان و سرکش کو مار بھگانے کے لیے چوٹ ہیں:[۲۹]

آنکہ کسؐ بود و شہنشاہ کسان
عقل چوں صد قلزمش ہر جا رسان
وحیش آمد رحم حق غمخوار شد
کہ فلان مشتاق تو بیمار شد
مصطفیٰؐ بہر ہلالؓ باشرف
رفت از بہر عیادت آن طرف
در پی خورشید وحی آن مہؐ روان
و آن صحابہ در پیش چون اختران
ماہؐ میگوید کہ اصحابیؓ نجوم
للسّری قدوۃ و للطاغی رجوم

غرض جب حضرت ہلالؓ کے آقا کو سلطانؐ دو عالم کی تشریف آوری کا علم ہوا تو وہ خوشی کے مارے نڈھال ہو گیا کہ حضورؐ اس

کے گھر تشریف لا رہے ہیں ۔ فخرؐ موجودات کے وہاں قدم رنجہ فرمانے پر وہ شخص فرط ادب و مسرت سے زمین پر بچھ بچھ گیا اور اس کا چہرہ بے پایاں شادمانی سے گلاب کی مانند تمتما اٹھا ۔ اس نے ''بسم اللہ'' کہہ کر حضورؐ کا استقبال کیا اور وہاں تشریف فرمانے کی استدعا کی تاکہ وہ جگہ رشک فردوس بن جائے اور تاکہ اس کا قصر آسمان پر تعمیر پذیر ہو ۔ کیونکہ وہ ''قطبؐ دورانِ زمان'' کے دیدار بہجت آثار سے مشرف ہوا ہے ۔ حضورؐ اکرم نے کسی قدر بانداز عتاب فرمایا میں تمہیں دیکھنے کے لیے نہیں آیا ۔ جس پر وہ بولا میری جان حضورؐ پر فدا ہو ، پھر حضورؐ نے خود کو کس لیے اس زحمت میں ڈالا تاکہ میں اس خوشبخت کی خاک پا بن جاؤں جس پر حضورؐ کی اس قدر نظر عنایت ہوئی ہے ۔ غرض جب اس کی نخوت جاتی رہی تو سیدؐ البشر نے ترک عتاب کرتے ہوئے اُس سے حضرت ہلالؓ کے بارے میں پوچھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مولانا نے حضرت ہلالؓ کو ''ہلال عرش'' اور ان کے انکسار و تواضع کے سبب انہیں چاندنی کی مانند بچھا ہوا فرش کہا ہے ۔ پھر انہیں ایسے شہنشاہ سے تشبیہ دی ہے جس نے غلامی کے لباس میں خود کو چھپا رکھا اور جو در حقیقت ''جاسوسی'' کی خاطر اس دنیا میں وارد ہوا ہے ۔ وہ غلام یا سائس نہیں بلکہ کسی وبرانے میں خزانہ ہے ۔ مولانا لفظ ہلالؓ (ماہ نو) کی رعایت سے کہتے ہیں کہ وہ ہلالؓ بیماری کے باعث کیسے عظیم مقام پر پہنچ گئے کہ ہزاروں بدر (ماہ کامل) ان کے آگے ہیچ و پامال ہو کر رہ گئے :

میر را گفتند کان سلطان رسید
او ز شادی بیدل و جان برجہید
ہر گمان آن ز شادی زد دو دست
کان شہنشہ بہر آن میر آمدہ است

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے استفسار پر مالک نے کہا کہ مجھے ہلالؓ کی بیماری وغیرہ کا تو کچھ علم نہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ کئی روز سے میرے پاس نہیں آیا ، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ڈھور ڈنگر سے سروکار کے باعث وہ بیشتر اصطبل ہی میں رہتا ہے ۔ اس کے اس جواب پر فخر کونینؐ ہلالؓ کی جستجو میں بکمال رغبت اصطبل کی طرف گامزن ہوئے ۔ وہ اصطبل بڑا ہی تاریک اور زشت و پلید تھا ، لیکن سید البشرؐ

کے قدوم میمنت لزوم سے اس کی یہ تاریکی و زشتی جاتی رہی ۔ ادھر حضرت ہلالؓ کو حضور نبی کریم کی تشریف آوری کا علم ہو گیا ، جس طرح حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کی خوشبو پائی تھی ۔ ۔ ۔ اس کے بعد مولانا نے اس امر سے بحث کی ہے کہ معجزات سے حقیقی ایمان پیدا نہیں ہو سکتا ، یعنی "معجزہ ایمان آفریں نہیں ہوتا بلکہ اچھا مومن وہ بنتا ہے کہ نبی کی سی ہمجنس چیز اس کے اندر پہلے سے موجود تھی ۔ معجزات دوست کے لیے نہیں بلکہ دشمن کو مقہور و مغلوب و عاجز کرنے کے لیے ہوتے ہیں ۔ مقہور ہو کر ایمان لانے والے کے ایمان کی بھلا کیا قیمت ہو سکتی ہے[۳۰] ۔"

الغرض حضرت ہلالؓ خوشبوے رسولؐ سے نیند سے بیدار ہو گئے اور ان پر حیرت چھا گئی کہ اس گندی جگہ ایسی عظیم خوشبو کہاں سے آئی ، تا آنکہ انہوں نے گھوڑوں کی ٹانگوں میں سے نبیؐ پاک کا دامن مبارک دیکھ لیا ۔ پھر کیا تھا فوراً رینگتے رینگتے آگے بڑھے اور حضورؐ کے پائے مبارک پر اپنا چہرہ رکھ دیا ۔ رحمۃ للعالمینؐ نے انہیں اُٹھا کر اپنا رخ مبارک اُن کے چہرے پر رکھا اور ان کے سر و چشم و رو کو چوما ۔ رحمتہ للعالمینؐ نے انہیں پوشیدہ گوہر اور مسافر عرش کے القاب سے خطاب کر کے ان کی صحت کے بارے میں دریافت فرمایا ۔ جس پر انہوں نے عرض کیا ، اُس شوریدہ خواب کے مقدروں کا کیا کہنا جس کے منہ پر آفتابؐ آ گیا ہو ۔ یہاں مولانا نے حضرت ہلالؓ کی خوش بختی کو اس گل خوار ہیاسے کی خوشبختی سے تشبیہ دی ہے جسے پانی اپنے اوپر اٹھائے بڑے سکون سے بہتا چلا جا رہا ہو ۔ ۔ ۔ اس ضمن میں حضرت عیسیٰؑ سے متعلق ایک روایت[۳۱] کا بیان ہے ، جس کے مطابق حضور سیدالساداتؐ سے عرض کیا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہا جاتا ہے وہ پانی پر چل لیا کرتے تھے ، تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر انہیں یقین کی اور زیادتی حاصل ہو جاتی تو وہ ہوا میں بھی چل سکتے تھے جس طرح میں ہوا کے دوش پر سوار ہو کر شب معراج ذات باری تعالیٰ سے مستصحب ہوا :

رفت پیغمبرؐ برغبت بہر او
اندر آحور و آمد اندر جستجو
بود آخور مظلم و زشت و پلید
اینہمہ برخاست چون سیدؐ رسید

بوی پیغمبرؐ ببرد آن شیر نر
ہمچنانکہ بوی یوسفؑ را پدر
موجب ایمان نباشد معجزات
بوی جنسیت کند جذب صفات
گفت احمدؐ گریقینش افزون بدی
خود ہوایش مرکب و ہامون شدی
ہمچو من کہ بر ہوا راکب شدم
در شب معراج مستصحب شدم

حضور فخر انبیاؐ کی ایک حدیث ۳۲ ''یس للماضین ہم الموت ۔ الخ'' (اس دنیا سے کوچ کرنے والے کو موت کا کوئی درد و دریغ نہیں بلکہ اسے اپنے اعمال ضائع ہو جانے کا بیحد افسوس ہے کہ اس نے موت کو مرکز توجہ کیوں نہ بنایا جو ہر دولت اور ساز و برگ کی مخزن ہے) کے معانی بیان کرتے ہوئے حضورؐ اکرم کو سپہدارؐ بشر کے لقب سے یاد کیا گیا ہے ۔ راقم نے اپنے ایک مضمون ''کلام اقبال میں رومی کی شعری تلمیحات'' میں اس حصے سے بحث کی ہے ، لہذا یہاں اس سے صرف نظر کیا جاتا ہے ۔

ایک جگہ رسول کریمؐ کی حدیث ''ان اللہ تعالیٰ یلقن الحکمۃ ۔ الخ'' (اللہ تعالی سامعین کے جذبۂ شوق و ہمت کے مطابق واعظین کی زبان پر حکمت کو تلقین کرتا ہے) کی تفسیر بیان ہوئی ہے ۔ اس حصے میں استاد اور شاگرد اور چنگ نواز اور سامعین کی امثال سے اس حدیث کی وضاحت کی گئی ہے ۔

انسانی فطرت کا یہ ایک نمایاں پہلو ہے کہ وہ اپنے مخاطب کی توجہ ہی کے مطابق اپنی طلاقت لسان اور اپنے کمال بیان کا مظاہرہ کر سکتا ہے ۔ ہر چند ایک واعظ بڑا ہی شیریں بیاں سہی ، لیکن اس کی اُس شیریں بیانی کا جوہر اُسی وقت کھل پائے گا جب اس کے سامعین اس کی طرف پورے طور پر متوجہ ہوں گے ، بصورت دیگر یعنی سامعین میں جذبہ و توجہ کی کمی کے سبب ، یہ معلوم نہ ہو گا کہ کہنے والے نے کیا کہا، شیریں بیانی تو بڑی دور کی بات ہے ۔ اسی طرح استاد اور شاگردوں کی مثال ہے ۔ جب شاگرد ، استاد کی باتوں پرکان دھرنے کی بجائے بے توجہی، کھسر پھسر یا اسی قسم کی دوسری حرکات کے مرتکب ہوں گے تو استاد اپنی تمامتر فضیلت و مہارت اور استعداد و اہلیت کے باوصف اپنی تدریس

میں وہ گرمی پیدا نہ کر سکے گا جو بصورت دیگر اپنے بھرپور انداز میں دیکھنے میں آئے گی ۔ کچھ ایسی ہی مثال موسیقار و چنگ نواز اور اس کے سامعین کی ہے ، اس کی مہارت فن اور تاثیر طرز ادا سب سامعین کی توجہ ہی کی مرہون منت ہے ۔ ۔ ۔ مولانا نے اسی ضمن میں وحی کا ذکر کرکے کچھ اور امثال سے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے :

جذب سمعست ار کسی را خوش لبیست
گرمی و وجد معلم از صبی است
گر نبودی گوشهای غیب گیر
وحی ناوردی ز گردون یک بشیر
آن دم لولاک[۳۳] این باشد که کار
از برای چشم تیز است و نظار
عامه را از عشق بمخوابه و طبق
کی بود پروای صنع و عشق حق
رو سگ کهف خداوندیش باش
تا رهاند زین تغارت اصطفاش

ایک فقیر کی داستان[۳۴] میں ، جس نے حضور حق ، محنت و مزدوری کے بغیر روزی ملنے کی دعا کی اور وہ قبول ہو گئی ، حضور فخر کونین کا ذکر مصطفیٰ[۳] ، احمد[۳] ، خورشید[۳] راز اور الب الغ (دلیر و بزرگ) کے القاب سے آیا ہے ۔

دعا کے دوران فقیر پر وارده مختلف کیفیات (امید و نا امیدی) کی عکاسی کرتے ہوئے مولانا پستی و بلندی کی بحث چھیڑ دیتے ہیں ۔ پھر زمین کی پستی اور آسمان کی رفعت کا ذکر کرکے زمانے اور انسانی مزاج کے اُس تضاد پر روشنی ڈالتے ہیں جو کبھی جنگ اور کبھی صلح ، کبھی قحط اور کبھی خوشحالی اور کبھی صحت اور کبھی بیماری کی صورت میں نظر آتا ہے ۔ اور یوں بات سے بات نکل کر جہان معنی (روحانیت) پر آ ٹھہرتی ہے ۔ مولانا کہتے ہیں کہ اس عالم رنگ و بو کا دارو مدار ہی خوف و رجا پر ہے اور یہ اسی باعث ہے کہ یہ دنیا اس قسم کے حوادث و واقعات سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہے ، اور اس لیے بھی کہ اس کی اس "ضد رنگی" کو ہمارے عیسیٰ[۳] (مراد حضور[۳] سرور دو عالم) یکرنگی میں بدل دیں ، کیونکہ عالم آخرت تو کان نمک ہے جہاں ہر کوئی بے رنگ

(یکساں) ہو جائے گا۔ یہاں مولانا خاک کی مثال سے اس نکتے کو واضح کرتے ہیں۔ اس دنیا میں اس خاک کی بدولت انسانوں میں رنگارنگی پائی جاتی ہے لیکن یہی خاک قبر میں پہنچنے والوں کو یکرنگ و یکساں کر دیتی ہے۔ گویا خاک گور ظاہری اجسام کی گلزار ہے، اس کے مقابلے میں گلزار معنوی و روحانی ہے جو ازل تا ابد تازگی اور نئے پن کا حامل ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ یہ دنیا تو اضداد کا شکار ہے، یہاں تازگی اور نئے پن کی ضد کہنگی ہے لیکن عالم روحانی میں اس قسم کی اضداد و رنگا رنگی کا کوئی وجود نہیں، بالکل اسی طرح جس طرح حضورؐ فخر موجودات کے نور مبارک نے ہزاروں قسم کی تاریکیوں کو ایک ضیا میں بدل دیا۔ مولانا ان رنگا رنگ تاریکیوں اور یکرنگ ضیا کی مزید وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ حضورؐ کے وقت بیشمار فرق و مذاہب تھے، جنہیں نبیؐ اکرم نے اسلام کے رنگ میں رنگ دیا۔ حضور سیدالبشر خورشید راز تھے جن کی روشنی میں ہزاروں قسم کے چھوٹے بڑے سائے ایک صورت اختیار کر گئے:

آنچنان کز نور روی مصطفیٰؐ
صد ہزاران نوع ظلمت شد ضیا

از جہود و مشرک و ترسا و مغ
جملگی یکرنگ شد ز آن الب الغ

صد ہزاران سایہ کوتاہ و دراز
شد یکی در نور آن خورشید راز

نی درازی ماند و نی کوتہ نہ پہن
گونہ گونہ سایہ در خورشید رہن

اسی حصے میں مختلف موضوعات سے بحث کرتے ہوئے مولانا اس دنیا کو رب ذوالجلال کا قہر خانہ قرار دیتے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے دو تین مثالیں دی ہیں جن سے ان کی مراد یہ ہے کہ جو کوئی یہاں قہر اختیار کرے گا آخر قہر ہی کا شکار ہوگا۔ ان مثالوں کے بعد مولانا نے اس امر سے بحث کی ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے ہر مخلوق کے ہمجنس و رفیق پیدا کئے ہیں۔ اس کی مثال میں فیل اور مچھر کا ذکر آیا ہے، یعنی اول الذکر کا ہمجنس فیل ہی ہوگا اور مؤخر الذکر کا مچھر۔ اسی طرح انسانوں

IqbalCyberLibrary.Net ©2002-2006

میں ہمجنس ایک ہی فطرت کے انسان ہولگے ۔ اس کی مثال میں سرور کونین[۳۳] اور ابوجہل کا ذکر کیا جا سکتا ہے ۔ حضور[۳] اکرم کے ہمجنس و رفیق اور مونس و دمساز پاک باطن و با صفا چار یار[۳۴] تھے جبکہ ابوجہل کو عتبہ[۳۵] اور ذوالخمار[۳۶] کی رفاقت میسر تھی ۔ بھر مختلف امثال سے مولانا نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ اہل‌اللہ و اہل باطن کی توجہ و نظر صرف اور صرف ذات باری عزاسمہٗ کی طرف ہوتی ہے لیکن اہل دنیا یعنی ظاہر پرست ، ہوس و طمع کے شکار ، پیٹ کے غلام اور دنیا کی ظاہریت پر مرنے والے ہوتے ہیں ۔ ان کی فلسفہ زدہ عقل صرف خیالات ہی میں کھوئی رہتی ہے جبکہ اول‌الذکر کا مقصد و منتہیٰ محبوب حقیقی کے وصل سے شاد کام ہونا ہے اور بس ۔

کسی اونٹ ، گائے اور پہاڑی بکرے کو راستے میں کہیں گھاس کا ایک چھوٹا سا گٹھا مل گیا ۔ بکرے نے کہا یہ گھاس بہت تھوڑی ہے ، ہم میں سے کوئی بھی اس سے سیر نہ ہو سکے گا ، بہتر یہ ہو گا کہ ہم میں سے جو کوئی بھی عمر میں بڑا ہو یہ گھاس اس کو دے دی جائے ۔ یہ کہانی وقفے کے بعد دو حصوں میں بیان ہوئی ہے ۔ پہلے حصے میں اتنی داستان بیان کرنے کے بعد حضور[۳] لبی کریم کے حوالے سے یہ کہا گیا ہے کہ بزرگوں کو مقدم رکھنا چاہیے ۔[۳۷] مولانا نے یہاں اپنے دور کو دور لئیم کہہ کر اس میں بزرگوں کی ''عزت افزائی'' کے عجیب انداز کی تصویر کشی کی ہے ۔ کہتے ہیں کہ اس لئیم دور میں بزرگوں کو صرف دو مواقع پر مقدم رکھا جاتا ہے ، اول ایسے کھانے پر جو خاصا گرم ہو ، دوم اُس پُل پر جو گسی نقص کی بنا پر ویران ہو ۔ مولانا کے مطابق یہ لوگ بزرگوں اور بڑوں کی جو خدمت انجام دیتے ہیں وہ فساد و خرابی ہی کی حامل ہوتی ہے ۔ تو جب ایسے لوگوں کا کار نیک ایسا ہوگا تو ان کا شر کیا قیامت نہ ہو گا :

که اکابر را مقدم داشتن
آمدست از مصطفیٰ[۳] اندر سنن
گرچه ویران را در این دور لئام
در دو موضع پیش میدارند عام
یا در آن لوزی که بس سوزان بود
یا بر آن پل کز خلل ویران بود

خدمت شیخی ، بزرگی ، قائدی
عام نازد بی قرینہ ؑ قاسدی

خیر شان اینست چہ بود شر شان
قبح شان را باز دان از فرشان

اس کہانی سے قبل مولانا نے مختلف مذاہب کے پیرو کار تین مسافروں (عیسائی ، یہودی ، مسلمان) کی داستان بیان کی ہے جنھیں راستے میں کھانے کی کوئی چیز مل جاتی ہے پہلے دو مسافر پہلے ہی شکم سیر تھے ، انہوں نے کہا ہم کل کھائیں گے ، مسلمان روزے سے تھا لیکن مغلوب ہونے کے سبب اس روز بھی بھوکا ہی رہا ۔ شتر و گاو وغیرہ کا قصہ اسی ضمن میں آیا ہے ۔ ان مسافروں کی داستان کے دوسرے حصے میں مولانا نے سید ؐ البشر پر مختلف القاب ۔ مصطفیٰ ؐ ، سلطان ؐ ، سید ؐ سادات ، سلطان ؐ رسل ، مفخر ؐ کونین ، ہادی ؐ سبل ، شاہ جہان ، شاہ مطاع اور فخر انبیا ۔ کی صورت میں عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں ۔ جس انداز میں مولانا ایسے القاب استعمال کرتے ہیں (مثلاً سلطان من) وہ ان کی فخر کونین ؐ سے والہانہ وابستگی و شیفتگی کا مظہر ہے ۔

کہانی کا یہ حصہ مسلمان مسافر کی گفتگو سے شروع ہوتا ہے ۔ دوسرے دن صبح تینوں مسافر بیدار ہوئے تو مسلمان نے ان سے اپنے رات کے خواب کا ذکر کیا ۔ بولا ، دوستو! میرے سلطان ؐ ، ہادی ؐ ، سبل ؐ ، سید ؐ سادات حضرت مصطفیٰ ؐ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ تم تینوں میں سے ایک (یہودی) تو حضرت موسیٰ ؑ سے اظہار عشق و عقیدت کرنے کی خاطر طور پر پہنچ گیا اور دوسرے (عیسائی) کو حضرت عیسیٰ ؑ چوتھے آسمان پر لے گئے لیکن تو آفت رسیدگی و پسماندگی کے عالم میں یہیں پڑا رہ گیا ۔ اٹھ اور جلدی سے وہ حلوا کھا لے ، وہ دونو تو اپنے مقدر کی بدولت مرتبہ و عظمت کو پہنچ گئے اور تو اپنی ناداری و سادگی کی بنا پر ان سے پیچھے رہ گیا ۔ اب اٹھ اور حلوے کے برتن ہی کی طرف توجہ کر لے ۔ ۔ ۔ سو دوستو ! میں نے تو اپنے حضور ؐ اکرم کے فرمان پر اسی وقت وہ حلوا اور نان کھا لیا ۔ ۔ ۔ مسلمان کی یہ بات سن کر وہ دونوں سٹپٹائے اور اسے برا بھلا کہہ کر اس کی اس حلوا خوری پر حیران و متعجب ہوئے ۔ مسلمان بولا بھئی میری کیا

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

جرات کہ میں ایسی عظیم ہستی کے حکم سے سرتابی کرتا ۔ پھر وہ یہودی سے پوچھنے لگا کہ اگر حضرت موسیٰؑ تمہیں خوشی یا ناخوشی میں کوئی حکم دیں تو کیا تم سر کشی کروگے ؟ پھر یہی سوال اس نے پیرو حضرت عیسیٰؑ سے کیا ۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ جب تم لوگ سرتابی نہیں کر سکتے تو میں فخرؐ الانبیاء کی نافرمانی کیونکر کر سکتا تھا ، لہذا میں نے حلوا کھا لیا اور اب عالم سر خوشی میں ہوں ۔ اس پر وہ بولے کہ واقعی تم نے اچھا خواب دیکھا اور تمہارا یہ خواب ہمارے سینکڑوں خوابوں سے بہتر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ یہاں مولانا نے خواب اور بیداری سے بحث کی ہے :

پس مسلمان گفت کای یاران من
پیشم آمد مصطفیٰ ، سلطان من
سیدؐ سادات و سلطانؐ رُسل
مفخرؐ کونین و ہادیؐ سبل
پس مرا گفت آن یکی بر طور تاخت
با کلیم اللہ فرد عشقی باخت

سلطان محمود غزنوی اور چوروں کی داستان میں جہاں حضور سرکارؐ دو عالم کو رسولؐ اور احمدؐ کے اسماء سے یاد کیا گیا ہے وہاں ایک حدیث مبارکہ اور آیت قرآنی سے بھی استفادہ ہوا ہے ۔

ایک رات سلطان محمود غزنوی شہر میں گشت کر رہا تھا ۔ ایک جگہ چند چوروں سے اس کی ملاقات ہو گئی ۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو ؟ سلطان بولا میں بھی تمہی میں سے ہوں ۔ اور یوں وہ ان میں شامل ہو گیا ۔ اسی اثنا میں ایک چور دوسروں سے مخاطب ہوا کہ تم میں سے ہر شخص اپنی کوئی خاص مہارت و خوبی بیان کرے ۔ ایک بولا میں کتے کی بولی سمجھ لیتا ہوں ۔ ایک نے کہا میں تاریک رات میں کسی کو دیکھ لوں تو دن کی روشنی میں اسے پہچان سکتا ہوں ۔ ایک نے بتایا کہ وہ خاک سونگھ کر بتا سکتا ہے فلاں جگہ کیا کیا دفن یا گیا کچھ پڑا ہے ۔۳۸ ۔ ۔ اتنی کہانی بیان کرکے مولانا کہتے ہیں کہ ہم جو رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ لوگ (سونے چاندی) کی کانیں ہیں تو یہ راز مجھے اب معلوم ہوا کہ حضورؐ اکرم نے ایسا کیوں فرمایا ؟ مطلب یہ کہ ہر انسان کے باطن وجود میں نیک و بد خصائل کے معادن مضمر ہیں

جو فہم و فراست کی بو شناسی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔[۳۹]

مولانا کا اشہب خیال اب اسی موضوع کی طرف رواں دواں ہے ، انداز وہی ظاہری ہے کہ خاک تن سے میں جان لیتا ہوں کہ اس میں کتنی نقدی ہے اور معدن میں سے اسے کیا حاصل ہے ، کسی کان میں بے انداز سونا موجود ہے اور کسی کی پیداوار اس کے خرچ سے کمتر ہے وغیرہ۔ لیکن اس سے ان کا مقصود وہی ہے جو اس سے قبل بیان ہوا۔ آگے اسی انداز میں مجنون و لیلیٰ اور حضرت یوسفؑ کی مثالیں دے کر فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بوشناسی کا ذکر کیا ہے۔ ایک موقع پر سید السادات ؐ نے فرمایا تھا بیشک میں اللہ تعالیٰ کے جھونکے یمن کی طرف سے پا رہا ہوں[۳۰] ، جس سے حضورؐ کی مراد اپنے عاشق زار حضرت اویس[۳۱] قرنیؓ سے تھی۔ اور یہ قول گویا خاک سونگھ کر سب کچھ بتانے والے کا ہے کہ میری ناک کو بھی اس بوشناسی کا کچھ حصہ عطا ہوا ہے ، چنانچہ میں سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ کونسی خاک ہمسایۂ زر ہے اور کون سی خاک بالکل ناکارہ اور بیکار ہے ، دوسرے الفاظ میں روحانی طور پر کون مراتب اعلیٰ سے سرفراز ہوا ہے اور کون جسم و نفس کا غلام ہو کر خود کو ضائع کر بیٹھا ہے۔

اس کے بعد ایک چور اپنی اس مہارت کا ذکر کرتا ہے کہ وہ اونچی سے اونچی عمارت پر کمند پھینک سکتا ہے جو پھر اس جگہ سے ہل نہیں سکتی۔ اس سلسلے میں پھر حضورؐ اکرم کی مثال دی گئی ہے جس کا تعلق حضور نبی کریمؐ کی انتہائی عظمت و مرتبت اور حضورؐ کے معراج سے ہے۔ بقول مولانا حضورؐ اکرم نے زبردست کمند پھینکی تھی جس نے حضورؐ کو "لعمرک و بعث" تک پہنچا دیا اور سیدؐ البشر کی جان مبارک کی طرف سے پھینکی گئی کمند حضورؐ کو عرش معلیٰ تک لے گئی۔ یہاں مولانا ایک قرآنی تلمیح لائے ہیں جس کے مطابق غزوہ بدر کے موقع پر ہادیؐ برحق نے کنکریوں کی مٹھی کفار کی طرف پھینکی تھی جس کے ریزے کفار کی آنکھوں میں پڑے اور انہیں شکست ہوئی تھی۔ اس پر ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ یہ مٹھی آپ نے نہیں ہم نے پھینکی تھی۔[۳۲] قصہ کوتاہ چوروں کے بعد سلطان کی باری آتی ہے ، وہ بتاتا ہے کہ میری داڑھی میں یہ خاصیت ہے کہ اس کے ہلنے سے قاتلوں اور ڈاکوؤں کی رہائی ہو جاتی ہے :

brary.Net erved. ©2002-2006

۳۲ سر الناس معادن داد دست
که رسول آن را پی چه گفت است
من ز خاک تن بدانم کاندر آن
چه نقد است و چه دارد او ز کان
بو کنم دانم ز هر پیراهنی
گر بود یوسف و گر اهریمنی
همچو احمد که برد بو از یمن
ز آن نصیبی یافت این بینی من
همچو احمد که کمند انداخت سخت
که کمندش برد سوی تخت و بخت
همچو احمد که کمند انداخت چالش
تا کمندش برد سوی آسمان
گفت حقش کای کمند انداز بیت
آن ز من دان ما رمیت اذ رمیت

کہانی کے اس حصے میں مذکورہ حوالے سے چشم عارف کو ہر دو جہان کے لیے "امان" کہہ کر حضور ختمی مرتبت کو شافع عاصیان کہا گیا ہے ، وجہ یہ کہ حضور کی چشم مبارک نے بجز حق کے کسی اور طرف توجہ نہیں کی۔۳۳ حضور اکرم کے وجود مسعود کے طفیل دنیا کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور چونکہ سرور انبیا کی چشم بصیرت ان تاریکیوں میں بھی ناظر حق تھی اس لیے تمام شفاعت و امید کا مرکز آپ ہی کی ذات والا صفات ہو سکتی تھی۔ اس کا باعث ، مولانا کے مطابق ، یہ ہے کہ حضور کی ہر دو چشم مبارک (ظاہر و باطن) "الم نشرح"۳۴ کے سرمہ سے آراستہ تھیں ، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ حضور فخر موجودات نے جو کچھ دیکھا اس کی تاب حضرت جبریل بھی نہ لا سکے ۳۵۔ ۔ ۔ آگے سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یتیمی کے حوالے سے اللہ جل جلالہ' کی نظر عنایت کا بیان ہے کہ اگر وہ کسی یتیم پر پڑ جائے تو اُسے 'در یتیم' بنا دیتی ہے اور وہ اپنے مطلوب کا اس طرح طالب ہو جاتا ہے کہ اس کے نور کے آگے تمام جواہر ماند پڑ جاتے ہیں۔

سورۂ فتح میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے "انا ارسلنک شاھداً و مبشراً و نذیراً (ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے

CyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

والا کر کے بھیجا ہے) ۔ مولانا اس حوالے سے کہتے ہیں کہ چونکہ مخلوق خدا کے تمام امور حضور ۳ کے پیش نظر تھے اسی بنا پر خدا نے حضور کا نام شاہد رکھا ۔ اب مولانا "شاہد" کی مختلف خصوصیات بتاتے ہیں ۔ ان کے مطابق زبان پُر تاثیر اور چشم تیزبیں شاہد کے ہتھیار ہیں ۔ اور شب بیداری و شبگردی اُس کا محبوب مشغلہ ۔ پھر اسی لفظ (شاہد) کی رعایت سے وہ عدالتی امور میں گواہ کی اہمیت کی دینوی مثال پیش کرتے ہیں (جس سے ان کا مقصود در حقیقت روحانی دنیا ہے) کہ کتنے ہی مدعی کیوں نہ اُٹھ کھڑے ہوں قاضی کی تمامتر توجہ شاہد ہی کی طرف ہوتی ہے اور شاہد قاضی کے لیے دو چشم روشن کی حیثیت رکھتا ہے ، اس لیے کہ جو کچھ اس نے دیکھا ہوتا ہے ، بے غرض ہونے کے سبب ، وہ سب کچھ بلا کم و کاست کہہ ڈالتا ہے ، اس کے برعکس مدعی کے دل و دیدہ پر اغراض کا پردہ پڑا ہوتا ہے ، جبکہ اللہ جل شانہٗ اغراض سے دور رہنے کو فرماتا ہے تاکہ انسان "مدعی" کی بجائے شاہد قرار پائے ۔

ایک جگہ صدقہ و زکواۃ اور نماز کے بارے میں ارشادات نبوی ، صلی اللہ علیہ وسلم ، پیش کئے گئے ہیں ۔ اس ضمن میں کہے گئے اشعار میں ان احادیث کی طرف اشارہ ہے : خیرات و زکواۃ مال کو کم نہیں کرتے ۔ سخاوت موجب نفع ہے اور تنگدلی منحوس ہے ۔ اور ، زکواۃ دے کر اپنے اموال کی حفاظت کیا کرو ۔۳۶

احادیث بیان کرنے کے بعد مولانا کہتے ہیں کہ زکواۃ ، مال کی پاسبان بنتی ہے اس طرح نماز اُس گلہ بان کی مانند ہے جو گلے کو بھیڑیے کے حملے سے محفوظ رکھتا ہے ۔ پھر اس ضمن میں مولانا چند امثال لاتے ہیں ۔ مثلاً میوۂ شیریں ، شاخ و برگ کے درمیان چھپا ہوتا ہے اور زندگی جاوداں موت کے بعد شروع ہوتی ہے ۔ اسی طرح گوبر وغیرہ کی مثال ہے جس سے زمین غذا حاصل کرکے پھل پھول اگاتی ہے :

حدیث مبارک "منہو مان لا یشبعان طالب العلم ۔ ۔ ۔ ۔ الخ" (دو بھوکے کبھی سیر نہیں ہوتے : ایک علم کا طالب اور دوسرا دنیا کا طالب) کی مختصر سی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا نے علم کو دریائے بیکراں اور طالب علم کو بہت بڑا غواص کہا ہے جو ہزاروں برس بھی اس بحر کی غواصی کرتا رہے تو اس کی تحقیق و جستجو سے سیر نہ ہو ۔ ان کے مطابق اس علم سے مراد علم آخرت ہے جو انسان کی راہنمائی کرکے اسے

اپنے اصل مقام کی طرف لیجاتا ہے :

علم دریائیست بی حد و کنار
طالب علمست غواص بحار
گر ہزاران سال باشد عمر او
می نگردد سیر او از جستجو
کان رسولؐ حق بگفت اندر بیان
اینکہ منہومان ہما لا یشبعان
طالب الدنیا و توفیراتہا
طالب العلمؐ و تدبیراتہا
پس در این قسمت چو بگشادی نظر
غیر این دنیا بود علم ای پدر

ایک بادشاہ اپنے تین شہزادوں کو وصیت کرتا ہے کہ وہ مملکت کے تین اطراف میں پھیل جائیں اور مختلف امور انجام دیں ۔ اس داستان کے ایک حصے میں حضورؐ سرور کونین کی دو احادیث مبارک کو وصیت کے طور پر پیش کیا گیا ہے ، جن میں غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کی گئی ہے ۔ یہاں مولانا نے حضورؐ کو ابی ذو فنون (جامع کمالات) اور مصطفیٰؐ کے القاب سے یاد کیا ہے ۔

حضورؐ فخر موجودات کی حدیث ہے کہ ''تمہارے غلام تمہارے ہی تو غلام ہیں ، ان کو کھانے کے لیے وہ دو جو خود کھاتے ہو ، پہننے کے لیے وہ دو جو خود پہنتے ہو اور اگر ان میں کوئی برا چیز پائی جاتی ہے جو تمہیں نا پسند ہو تو ان کو بیچ دو ، خدا کے بندو ان کو تکلیف نہ دیا کرو ۔۳۷'' ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے ''وہ تمہارے بھائی ہیں جن کو خدائے پاک نے تمہارے زیر تصرف کر دیا ہے ۔ کھانے کے لیے ان کو وہ دو جو خود کھاتے ہو اور ان کو وہ لباس پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور ان کو ایسی تکلیف نہ دو جو وہ برداشت نہ کر سکتے ہوں اور اگر تم نے ایسی تکلیف دی تو پھر ان کی امداد بھی کرو ۔۳۸''

مولانا نے اسی موضوع کو اپنے خاص انداز میں اور کسی دوسرے بادشاہ کی زبان سے پیش کیا ہے جس نے ایک فقیہ کو اپنی عقل نا و لوش بی زبردستی شامل کر لیا تھا ۔ اس بیان کے بعد مولانا نے صبر سے بحث

All rights reserved ©2002-2006

گی اور اسے روح کی بالیدگی اور عظمت کا باعث ٹھہرایا ہے ۔ اسی صبر کی بدولت سرور کائناتؐ معراج سے سرفراز ہوئے اور اسی صبر نے حضرت ایوبؑ کے لیے رفعت و عظمت کے در کھول دیئے ۔ مولانا عجلت سے بچنے اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کی تلقین کرتے اور اسے (صبر کو) کلید مسرت قرار دیتے ہیں :

شرم دارم از نبیؐ ذو فنون
"ابصروهم" ، "گفت "سما تلبسون"
مصطفیؐ کرد این وصیت با بنون
الطمسوا الا ذئاب سغا تاکلون
شد قلیه و برد با خود جفت خوب
از عطای خاص گشاف الکروب
مصطفیؐ بین چونکه صبرش شد براق
بر گشائیدش بالای طباق
چون صبوری پیشه کرد ایوب راد
از بلا او را در رفعت گشاد
صبر صدر آمد بهر حالت که بست
صبر را مگذار تا اتوان ز دست
صبر مفتاح الفرج لشنیده ای
کاندرین تعجیل در پیچیده ای
صبر آرد عاشقان را کام دل
بیدلان را صبر شد آرام دل

مذکورہ شہزادوں کی داستان کے آخری سے پہلے حصے میں ، جس میں بڑے شہزادے کی موت کا بیان ہے ، حضور نبی کریم کو محمدؐ اور احمدؐ کے اسماء مبارک سے یاد کیا گیا ہے ۔

اس حصے میں ایک جگہ گفتار کا ذکر آیا ہے ، مولانا اس سلسلے میں عام انسانوں کی آواز یعنی گفتگو کو پہاڑ کی صدائے بازگشت سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ پہاڑ خود نہیں بولتا ، کسی کی آواز کو بیخبری کے عالم میں لوٹا دیتا ہے ، اسی طرح جو کوئی ذوق و عشق حقیقی سے خالی ہے اس کی گفتگو پہاڑ کی طرح کسی دوسرے کی صدائے باز گشت ہے اور اسی لیے اس کے تمام احوال ، عکس عکس ہیں ۔ مولانا اس صورت حال

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ہے خود کو لگانے اور جہد کرنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ انسان کی گفتار اس کے اپنے حال کی آئینہ دار ہو اور وہ خود اپنے زور بازو سے مقام اعلٰی تک پرواز کر سکے۔ اس کی وضاحت کے لیے مولانا تیر اور باز کی مثال لاتے ہیں۔ تیر کے ساتھ پر باندھا جاتا ہے تاکہ وہ اس کے سہارے دور تک اوپر جا سکے۔ اب شکار تو تیر بھی کرتا ہے لیکن وہ شکار کے گوشت سے لذت اندوز نہیں ہو سکتا جب کہ باز خود اپنے پروں سے اڑ کر شکار کر کے بھی لاتا ہے اور اس کے عوض بادشاہ سے عمدہ پرندوں کا گوشت پا کر اس سے لذت اندوز بھی ہوتا ہے۔

اس مثال کے بعد مولانا پھر ''گفتار'' کی طرف رجوع اور سورۃ ''النجم'' کے حوالے سے حضورؐ فخر کونین کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے مطابق جو گفتار، وحی سے عاری ہو وہ گفتار نہیں محض ہوا (صدائے نفسانی) اور اس خاک کی مانند ہے جو ہوا میں اڑ کر گرد و غبار کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ مولانا اپنے اس دعوے کی تثبیت و تصدیق میں سورۃ النجم کی چند آیات کا ذکر کرتے ہیں، یعنی جسے ان کے اس قول و دعویٰ پر یقین نہ ہو وہ مذکورہ سورہ کی ان چند ابتدائی آیات کا مطالعہ کر لے جن میں ارشاد ہوا ہے کہ سیدؐ البشر کبھی اپنی خواہش نفسی سے باتیں نہیں کرتے اور جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ نری وحی ہے جو حضورؐ پر بھیجی جاتی ہے۔ اس کے بعد حضورؐ اکرم سے خطاب ہے کہ حضورؐ چونکہ وحی سے مایوس نہیں ہیں از راہ کرم ان دنیاداروں کو یقین و قیاس و تلاش حق کی دولت سے نوازیے تاکہ انہیں اس بات کی آگہی ہو جائے کہ حضورؐ نے جو کچھ فرمایا وہ ہر قسم کی ہوا و ہوس سے پاک اور محض وحی خداوندی تھا۔ اب مولانا اپنے رخش قلم کا رخ ''ہوا'' کی طرف موڑ دیتے اور مختلف تلمیحات قرآنی سے اپنے کلام کو مزین کرتے چلے جاتے ہیں:

تا کہ ما ینطق محمدؐ عن ہویٰ
ان ہو الا بوحی احتویٰ
احمداؐ چون نیستت از وحی یاس
جسمیان را دہ تحری و قیاس
تا بدانی کہ محمدؐ از ہوا
وا نگفت و گفت از وحی خدا

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006 اقبال سائبر لائبریری

گز ضرورت ہست مرداری حلال
کم تحری نیست در کعبۂ وصال[۳۹]

مثنوی کا خاتمہ اس عنوان پر ہوتا ہے ''خاتمہ لولدۂ الکامل المحقق بہاء الدین''[۵۰] جو کوئی ۵۲-۵۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں خاتمے سے چودہ اشعار قبل حضور ؐ سید السادات کا ذکر سعادت اثر احمد ؐ کے لقب سے آیا ہے اور اس طرح مثنوی رومی میں فخر موجودات، سرور کائنات، شافع محشر، فخر انبیا، ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر بہجت افزا بھی، کیا بالواسطہ اور کیا براہ راست، آخری ہے۔

گفت احمد ہر کہ دو روزش یکیست
ہست مغبون و گرفتار شکیست
بی یقین می زید در ابلہی
ہر ز بادی ہمچو ایمان تہی

حواشی

۱۔ حسام الدین چلپی: حسن بن محمد بن الحسن اخی ترک (متوفی ۶۸۳ھ) مولانا کے مرید خاص جو مولانا کے بعد ان کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے مولانا کو مثنوی کی ترغیب دلائی اور آخر وقت تک اس سلسلے میں ان کا ساتھ دیا۔ (تاریخ ادبیات در ایران از دکتر ذبیح اللہ صفا۔ تہران۔ جلد سوم، ص ۴۵۵۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۸، ص ۱۸۳ ببعد۔

۲۔ اشارہ ہے سورۃ المومن کی آیت ۸۳ کی طرف جس میں ارشاد ہوا ہے کہ ''غرض جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے (اس) علم (معاش) پر بڑے نازاں ہوئے، جو ان کو حاصل تھا اور ان پر وہ عذاب آ پڑا جس کے ساتھ تمسخر کرتے تھے''۔

۳۔ بقول حافظ :

ہزار نکتۂ باریکتر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(دیوان حافظ مرتبہ محمد قزوینی ص ۱۲۰)

۴۔ سورۃ الفتح ، آیہ : ۱ : "بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی" ۔ صلح حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے جو بعد میں فتح مکہ کا سبب تھی ۔

۵۔ حضور اکرم ؐ کی حدیث مبارک "انکم سترون ربکم ۔ ۔ ۔ الخ" بیشک تم اپنے رب کو اسی طریقے سے دیکھو گے جس طریقے سے اس چاند کو دیکھتے ہو اور اس کے دیکھنے میں تمھیں کسی قسم کا شک نہیں ہوتا ۔ (احادیث مثنوی ، ص ۲۷۰ ، ۲۷۱) ۔

۶۔ اشارہ بہ آیہ ۶۵ ، سورہ یٰسین : آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے ۔

۷۔ حضور اکرم ؐ کی اپنی اُمت کے لیے دعاؤں کی طرف اشارہ ہے ، الٰہی میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ یہ بے خبر لوگ ہیں ۔ اور : الٰہی میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ بے خبر ہیں ۔ (احادیث مثنوی ، ص ۸۵ ، ۲۷۰) ۔

۸۔ ہری یعنی ہرات ۔ ری : تہران کا پرانا نام ۔ اس نام کی آبادی آج بھی تہران شہر سے ملحق ہے ۔

۹۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون ، "کلام اقبال میں رومی کی شعری تلمیحات" جرنل آف ریسرچ سوسائٹی ، جنوری ۱۹۷۱ ۔

۱۰۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احادیث مثنوی ، ص ۲۳۷ ۔

۱۱۔ حدیث مبارکہ ہے : "ان اُمتی اُمۃ مرحومۃ" ۔ الخ : میری اُمت اُمت مرحومہ ہے آخرت میں اس پر کوئی عذاب نہیں ۔ اس کا عذاب دنیاوی فتنوں ، زلزلوں اور قتل اور بلاؤں کی صورت میں ہے ۔ اور ایک اور جگہ یوں ارشاد ہوا ہے : میری اُمت ، اُمت مرحومہ (یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہے ۔ اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے ۔ اس کی توبہ قبول کی جائے گی ۔ (احادیث مثنوی ، ص ۲۳) ۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

۱۲- اقتباس از ارشاد نبوی : لوگوں میں سے بہتر انسان وہ ہے جو انہیں زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے ۔ احادیث مثنوی ، ص ۲۷۶ ۔

۱۳- اشارہ ہے حدیث نبوی کی طرف : بُرے دوست کی صحبت سے تنہائی بہتر ہے اور نیک آدمی کی صحبت تنہائی سے بہتر ۔ (احادیث مثنوی ، ص ۶۲ ۔

۱۴- ارشاد حضور اکرم : مُردوں کی مجلس میں بیٹھنے سے بچو ۔ حضور سے پوچھا گیا وہ کون ہیں ؟ ارشاد ہوا اغنیا (مالدار لوگ) ۔ (احادیث مثنوی ، ص ۳۰) ۔

۱۵- اشارہ ہے "الفرار مما لا یطاق من سنن المرسلین" کی طرف (جس چیز کے کرنے کی طاقت نہ ہو اس سے کنارہ کشی انبیا کا طریقہ ہے) ۔ احادیث مثنوی ، ص ۲۷۷ ۔

۱۶- شیطان انسان کے لیے بھیڑیے کی مانند ہے ، وہ پر الگ رہنے والے اور اکثریت سے کٹ جانے والے کو دبوچ لیتا ہے ۔ (احادیث مثنوی ، ص ۲۷۷ ۔)

۱۷- اپنے دل سے دریافت کر ، اگرچہ تجھے کوئی کم عقل کسی قسم کا بھی فتویٰ دے پھر بھی اپنے دل سے ضرور پوچھ لیا کر ۔ (احادیث مثنوی ، ص ۲۷۲ ۔)

۱۸- ایضاً ۔

۱۹- اس حدیث کی مختلف صورتیں ہیں : کیا تم سعدؓ کی غیرت پر متعجب ہوتے ہو ۔ خدا کی قسم میں اس سے بھی زیادہ غیور ہوں اور خدا مجھ سے زیادہ غیور ہے ۔ اسی غیرت کی بنا پر ہی خدائے پاک نے فواحش کو حرام کیا ہے چاہے وہ علانیہ ہوں یا خفیہ ۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیور نہیں اسی بنا پر اس نے خفیہ اور علانیہ فواحش کو ممنوع قرار دیا ہے ۔ بیشک اللہ غیور ہے اور وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے بندے کے دل میں اس کے سوا کوئی اور ہے ۔ (احادیث مثنوی ، ص ۲۸) ۔

۲۰- فروزانفر مرحوم کے مطابق یہ صوفیا کا ایک قول ہے جسے ابن حجر سے منسوب کرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ منہج سے یہ روایت منقول ہے : "حاسبوا اعمالکم و موتوا قبل ان تموتوا" (اپنے اعمال کا محاسبہ اس وقت سے

پہلے کر لو جب تم سے محاسبہ کیا جائے گا ۔ اپنے نفسوں کا موازنہ اُس وقت سے پہلے کر لو جب کہ تمہیں موازنہ کے لیے پکارا جائے گا ۔ مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ) ۔ احادیث مثنوی ص ۲۰۷ ، "عسقلانی نے اس کو بے اصل کہا ہے" (اقبال اور مسلک تصوف ۔ ص ۱۳۸) ۔

۲۱- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کلام اقبال میں رومی کی شعری تلمیحات ۔ ۔ ۔

۲۲- ماخوذ از فرمودہ حضرت عیسیٰؑ : آسمانی سلطنت میں وہ شخص ہرگز داخل نہیں ہو سکے گا جس نے دوبارہ جنم نہیں لیا ۔ (احادیث مثنوی ص ۲۰۰ ، مثنوی مولوی روم مع شرح حضرت بحر العلوم دفتر ۳ ، ص ۱۹۲ ۔ تولد ثانی سے متعلق دفتر سوم میں بھی ایک شعر آیا ہے :

چون دوم بار آدمی زادہ بزاد
پائے خود بر فرق علتہا نہاد

جس کا مطلب فروزانفر نے یہ دیا ہے کہ آدمی ایک مرتبہ تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے ۔ دوسری مرتبہ اس کا تولد طبیعت بشری کے احاطہ سے نکلنا اور اپنی روحانیت کو تلوثات جسمانیہ سے پاک کرنا ہے ۔ اس وقت اس کو عیان و شہود کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور استدلال بالفکر کی ضرورت نہیں رہتی ، جس کی بنا علت و معلول کے تتبع پر ہے ۔ (احادیث مثنوی ص ۱۳۰) ۔

۲۳- احادیث مثنوی ص ۲۸۱ ۔

۲۴- احادیث مثنوی ، ص ۲۸۲ ، ۲۸۳ ۔

۲۵- کلیات سعدی ، ص ۵۳۱ ۔

۲۶- مولانا نے دفتر اول میں بھی اس حدیث سے استفادہ کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو کتاب مثنوی ص ۵۳ نیز احادیث مثنوی ص ۳۲ ، ۲۸۳ ۔

۲۷- اس صحابی کے بارے میں ملاحظہ ہو اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد اول ص ۸۰۰ ۔

۲۸- احادیث مثنوی ص ، ۲۸۴ ، ۲۸۵ ۔

۲۹- دفتر اول میں بھی اس حدیث سے استفادہ کیا گیا ہے ، ملاحظہ ہو کتاب مثنوی ص ۹۵ نیز احادیث مثنوی ص ۵۳ ، ۲۸۵ ۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

۳۰- تشبیہات رومی ص ۵۵۵ -

۳۱- روایت کے لیے ملاحظہ ہو احادیث مثنوی ص ، ۲۸۶ -

۳۲- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احادیث مثنوی ص ۲۲۷ ، ۲۸۸ - نیز کتاب مثنوی ص ۴۴۷ -

۳۳- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احادیث مثنوی ص ۲۵۰ ، ۲۹۰ -

۳۴- اس سے ملتی جلتی ایک داستان دفتر سوم میں بھی آئی ہے جو حضرت داؤد کے زمانے میں محنت کے بغیر رزق حلال کی دعا کرنے والے ایک شخص سے متعلق ہے - ملاحظہ ہو کتاب مثنوی ص ۲۲۸ بعد -

۳۵- عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس مراد ہے جس کی کنیت ابوالولید تھی اور جو قریش کے سرداروں میں سے تھا ، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کا انکار کر دیا تھا اور جنگ بدر میں مارا گیا تھا - اس کی بیٹی ھند ، زوجہ ابوسفیان ، امیر معاویہؓ کی ماں تھی - تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ ص ۹۸۸ ، ۹۸۹ -

۳۶- ذوالخمار عرب کے مشرک بہادروں میں سے تھا - (مثنوی شریف دفتر ۶ حاشیہ ص ۳۰۸) -

۳۷- ملاحظہ ہو احادیث مثنوی ص ۱۸۸ ، ۲۹۸ -

۳۸- جیسا کہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے لکھا ہے مولانا نے یہاں نفسی اور آفاقی علوم سے بحث کی ہے - خلیفہ مرحوم کے مطابق "کچھ علوم نفسی ہیں اور کچھ آفاقی - بعض علوم کا تعلق مظاہر و حوادث عالم سے ہے اور انھی علوم کی بدولت انسان خارجی فطرت کی قوتوں سے کام لے سکتا ہے جسے تسخیر فطرت کہہ سکتے ہیں - علم النفس سے انسان کو اپنے نفس کی کیفیت اور ماہیت کا سراغ ملتا ہے - از روے دین ہر قسم کے علوم کا منتہیٰ اور ان کی غایت خدا شناسی ہے اور باقی تمام علوم اور تمام فنون اسی انتہائی مقصد کے تابع ہیں یا ہونے چاہئیں" - تشبیہات رومی ص ۵۸۲ ، ۵۸۳ -

۳۹- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احادیث مثنوی ص ۸۷ ، ۳۰۲ -

۴۰- ملاحظہ ہو احادیث مثنوی ص ، ۱۰۳ ، ۱۶۶ ، ۳۰۲ -

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

۳۱۔ ان کے لیے ملاحظہ ہو اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد ۳ ص ۵۷۰ ببعد۔

۳۲۔ سورہ انفال آیہ ۱۷۔ مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم لکھتے ہیں "مٹھی خاک پھینکنے کا قصہ کئی بار ہوا، بدر میں، احد میں، حنین میں لیکن یہاں سیاق کلام سے بدر کا مراد لینا راجح ہے"۔

۳۳۔ اشارہ ہے سورہ النجم کی آیہ ۱۷ "ما زاغ البصر و ما طغیٰ" کی طرف (نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی)۔

۳۴۔ سورۂ الم نشرح کی شروع کی آیات ملاحظہ ہوں۔

۳۵۔ ملاحظہ ہو احادیث مثنوی ص ۳۱۳، ۳۰۳۔

۳۶۔ ملاحظہ ہو احادیث مثنوی ص ۳۱۲۔

۳۷۔ احادیث مثنوی ص ۳۱۶۔

۳۸۔ ایضاً۔

۳۹۔ مثنوی ص ۱۲۷۲۔ مثنوی شریف میں اس مقام پر آخر کے دو تین اشعار بالکل مختلف ہیں۔ دفتر ۲ ص ۱۴۶۔

۴۰۔ فرزند مولانائے روم۔ ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات در ایران جلد سوم بخش دوم ص ۵۰۷ ببعد۔ ڈاکٹر صفا کے مطابق مثنوی کا یہ حصہ انہی سے منسوب ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات در ایران جلد سوم بخش اول ص ۴۶۷۔

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006